خواتین ڈائجسٹ جولائی 2019
از فرزانہ کھرل
چھاپ تلک سب

فرزانہ کھرل

جھانک سٹیپ

وہ بچپن سے دیکھتی چلی آرہی تھی کہ دادی اور چچی کی زندگی میں جب بھی اور جہاں بھی کچھ بُرا ہوتا، بھلے بیچ سڑک ان کے تانگے کا گھوڑا ہی کیوں نہ بیٹھ جاتا اور کہیں بھگدڑ میں ان کا پرانا جوتا ہی کیوں نہ ٹوٹ جاتا وہ ان تمام مسائل کا ذمہ دار۔ کیسری کو ہی ٹھہراتیں۔ دادی کے کوسنے تو زندگی کی ڈور ٹوٹنے کے ساتھ مٹی میں مل گئے مگر چچی کے کوسنے اب پہلے سے بھی جدت اختیار کر چکے تھے۔ اس وقت بھی وہ کام میں مصروف تھیں سو غصے سے بل کھاتی درین کا رخ اب اس کمرے کی طرف تھا جس میں اسٹور کا دروازہ کھلتا تھا۔

”تم بھلے اس کی طرف داری کر کے ثواب لوٹتی رہو، میں تو پتوں کی بربادی بھی اسی منحوس کے سر ڈالوں گی۔“ درین کے عقب سے ابھرنے والی چچی کی آواز نے اس کے اندر کسی انکشاف کی کھڑکی کھولی۔

”انہوں نے ایسا کیوں کہا؟“ وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔

مکمل ناول

وہ جب بھی کیسری کے حق میں بولتی، چچی تلملا کے خاموش ہو جاتی تھیں۔ مگر آج وہ کیسری کو ہر الزام کے خانے میں ڈالنے کے بعد بھی بے سکون تھیں، اس کا ذہن الجھا۔

"آج پھر کچھ برا ہوا ہے۔ اس رشتے کروانے والی ماسی نے آخر ان کے کانوں میں کیسا صور پھونکا ہے۔" اس کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ الٹے قدموں واپس آئی۔

"ماسی نے آپ سے کیا بات کی ہے؟" وہ ان سے سوال کرتی چارپائی کی پٹی پہ ٹک گئی۔ وہاں چند لمحوں کو نیم پہ بیٹھی بلبلوں، چڑیوں اور ہوا تک نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ بات اب تک تو نور چچی کے نحیف وجود کا آدھا خون خشک کر چکی تھی جسے اب چھپانا اپنا ہی نقصان تھا۔

"وہ بتا رہی تھی کہ گڑیا کا رشتہ طے ہونے والا ہے۔"

نور چچی نے اگر یہ راز سرد ہونٹوں کے ساتھ اگلا تھا تو یہ خبر سنتے ہی درین بھی برف کی مانند ٹھنڈی ہوئی۔

وہ محض ایک خبر نہیں تھی، ان دونوں خواتین کے لیے یہ ایک بہت بڑا دھچکا تھا۔

"تو کیا پنوں کے اونٹ اپنا رخ بھنبھور کی طرف موڑنے والے تھے؟"

☆☆☆

وہ کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ گھر کی تفصیلی صفائی کے بعد اگر تمام کاٹھ کباڑ الگ ہو جاتا تو اس سنگل اسٹوری کا فرنٹ رنگ و روغن ہونے کے بعد اس گھر کی ظاہری حالت کچھ بہتر نظر آ سکتی تھی، سو اس نے یونیورسٹی سے چھٹی کی اور صبح صبح کام میں جت گئی۔

"ماں کا خون، ماں کی تربیت سب خاک ہوا۔ آخر باپ کا آوارہ خون ہی با اثر نکلا۔ ذرا سوچو کہ کل شام کا گھر سے نکلا ہوا ہے اور پلٹ کے خبر تک نہیں لی۔"

وہ جب بھی کوئی چیز رکھنے باہر آتی تو کھری چارپائی پہ لیٹی چچی کی زبان پہ پنوں کا ہی راگ چھڑا ہوتا۔ وہ دوپہر سے قبل ہی کافی کام نمٹا چکی تھی۔ اب صرف اسٹور رہ گیا تھا پھر بھی ان کے صحن کا ایک حصہ کاٹھ کباڑ سے بھر چکا تھا۔ صبح سے نیم کے درختوں پہ پرندے مورچہ باندھے جانے کس بات پہ ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے۔ نور چچی کا سر اس بے وجہ شور سے اب دکھنے لگا تھا۔

انہوں نے نگاہ اٹھا کے شاخوں کو گھورنا چاہا تو نظر سامنے کھڑی درین پہ پڑی۔ وہ اس کے چہرے پہ چمکتی مسکراہٹ دیکھ کے جیسے خاک ہوئیں، کیا وہ برسوں پرانا ساز و سامان اک خزانہ تھا جو اس لڑکی نے اچانک ڈھونڈ نکالا تھا۔ درین کی یہ مسکراہٹ تشکر کا مظاہرہ تھا یا پھر یہ ان کی اوقات کا عندیہ تھا۔

نور چچی کے دل میں دراڑ سی پڑی، انہوں نے تو ایسے شاہانہ وقت دیکھ رکھے تھے جب ان کی ساس عید کے عید اپنے رنگیلے پلنگ، ان پلنگوں سے اتری ریشمی چادریں، استعمال شدہ صندوقچیاں، ڈولیاں اور پیتل کانسی کے قیمتی برتن تک غریب غرباء میں خیرات کر دیا کرتی تھیں۔

"سامان تو اچھا خاصا ہے۔ ممکن ہے، اچھے پینٹ کے ایک دو ڈبے آ جائیں ورنہ اچھے والے چونے جتنے پیسے تو نکل ہی آئیں گے۔" اس کی چہکتی آواز پہ نور چچی ریت کی مانند ہوئیں۔ انہوں نے اسے دھندلی نظروں سے دیکھا جس نے اس خاندان پہ اچھے وقت کی پرچھائیں تک نہیں دیکھی تھی۔

"یہ جو تم نے ہیروں جواہرات کا ڈھیر لگا دیا ہے نا تو اب ان عیاش راجپوتوں کے حالات ضرور ہی بدل جائیں گے۔" انہوں نے کاٹھ کباڑ کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

درین نے انہیں رنج سے دیکھا۔ وہ مانتی تھی ماضی میں جو بھی ہوا، وہ غلط ہوا۔ مگر اب ان کو سنوں اور بددعاؤں کا کیا فائدہ۔ اس وقت وہ بولنے کے موڈ

میں نہیں تھی سو کھانا کھاتے ہوئے خاموشی سے سنتی رہی لیکن جب چچی نے ان کا شجرہ چھوڑ کے حسب عادت بیچ میں کیسری کو گھسیٹ لیا تو وہ خاموش نہیں رہ سکی۔

"کبھی اس گانے بجانے والی حور کو بھی کوس لیا کریں جس نے آپ کے سونے، چاندی اور سکھ چین سمیت ہمارے چچا میاں تک کو ہتھیا لیا۔" وہ ناک چڑھا کے بولی۔ "جبکہ کیسری تو رقاصہ تھی، رقاصہ ہی رہی۔ اس نے اپنا عہدہ بدل کے خانان کو دادی سے کب چھینا۔ اس نے کب کچھ مانگا، اسے تو جو بھی نوازا گیا، محبت میں نوازا گیا۔"

وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی اور کرسی پر پڑا دوپٹہ اٹھا کے اوڑھا کہ دور کہیں ظہر کی پہلی اذان ہو رہی تھی۔

"ہائے ہائے۔ اس فساد کی جڑ سے جانے تمہیں کاہے کی محبت ہے۔" چچی اب اپنے کان چھو رہی تھیں۔

☆☆☆

چلو خواتین کو اتنا مارجن تو تھا کہ چار سواریوں والی سیٹ پہ فی الوقت وہ پانچ بیٹھی تھیں مگر آگے کی ڈبل سیٹوں کا وہ عالم تھا کہ تھری سیٹرز پر چھ چھ آدمی اور ایسی دھکم پیل کہ درین کا دل ہمیشہ گھبراہٹ کا شکار ہوتا۔ ساتھ ایک نئی کوفت کا سامنا، بیک ویو مرر سے تاڑتا ڈرائیور۔

ایسی صورت حال میں جہاں وہ اپنے رکشے والے کو ہزاروں صلواتوں سے نوازتی تھی، وہیں اپنے باپ اور دادا کو بھی خوب لتاڑتی تھی۔ کیا تھا جو وہ عیش و عشرت کا شکار ہو کے اپنی زمین و جائداد کوڑیوں کے مول نہ بیچتے یا کچھ حصہ ہی بچا لیتے تو آج کم از کم ان کے پاس ایک گاڑی تو ہوتی۔ جس میں وہ باعزت سفر کرتی۔ اس کی آنکھ کا کونہ بھیگا۔ برا ہو دادی کا جو اسے خاندانی امارت کے قصے سناتی تھیں۔ راجپوتوں کی عورتیں جس ڈولی میں سفر کرتیں۔ کہاروں کی آنکھوں پہ پردے برابر ہونے تک پٹیاں بندھی رہتی تھیں۔ اس نے ایک جلتا بلتا سانس لیا۔ چلو باپ دادا سے غلطی ہو چکی تھی تو چچا میاں ہی عبرت پکڑتے۔ پڑھ لکھ جاتے، کوئی ڈھنگ کی نوکری ہوتی تو بڑی گاڑی نہ سہی ہم جیسے شرفاء کو ایک آٹو ہی کافی تھی۔ اگر پنوں ہی کسی جوگا ہوتا، چلو آٹو نہ سہی ان کے پاس ایک موٹر بائیک ہی ہوتی۔ گھر تک آتے آتے اس کی چادر کئی بار اس کی آنکھوں کا پانی جذب کر چکی تھی۔ وہ راجپوتوں کی ڈولیاں کہاں غرق ہوئیں اور کہاروں کے ہاتھ کون سے جرم کی پاداش میں کاٹ دیے گئے کہ درین کے تو سارے سفر میں بے امانی ہی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

اب اپنے گھر کا دروازہ پیٹتے ہوئے اس کا موڈ مزید خراب ہو چکا تھا اس نے وہ سلسلہ چند لمحوں کے لیے موقوف کیا اور فائل سر پہ رکھ کے اطراف میں جھانکا۔

"ایں...... یہ کیا......!"

تازہ تازہ پینٹ شدہ "امان ولا" کا بھاری گیٹ

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

حنا
نادرہ خاتون
قیمت ---- 550/- روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37- اردو بازار، کراچی۔

چوپٹ کھلا تھا اور سامنے نظر آتے لان میں لائٹنگ اور کیٹرنگ جیسا الم غلم دیکھ کے وہ دھک سے رہ گئی۔ یہ تمام چہل پہل اس خبر کی تصدیق کر رہی تھی کہ امان صاحب کے ولی عہد کی مہندی کا فنکشن واقعی گھر میں ارینج کیا جا رہا ہے اور چچا میاں نے تو شادی کا کارڈ ہی واپس کر دیا تھا، اس کا دل کسی یاسیت کی اتھاہ میں ڈوبا، اگر چچا کو اس گھر میں اس اعلا اہتمام کی اطلاع ہو جائے تو وہ اپنے خاندان کی آنکھیں پھوڑنے سے بھی گریز نہیں کریں گے کہ ان چھچھے داروں کا ٹھاٹ باٹ وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے جو ان کے بقول غاصب لٹیرے چور اچکے اور جانے کیا کیا تھے۔ وہ اترا ہوا چہرہ لیے دروازہ دوبارہ بند کر گئی۔ ایک تو نور چچی جو کل جہان کی گھوڑے بیچ کے سوتی تھیں۔

"اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو یہ دروازہ کھلنے تک تمہاری خدمت میں کئی کرسیاں پیش ہو سکتی ہیں۔" اس کے عقب میں حسام کی شوخ و شنگ آواز ابھری۔

وہ ذرا سا ہڑبڑی ہوئی اور اسے سخت نظروں سے گھورا۔ اس کے چچا تو اس خاندان پر سراسر الزام تراشی کرتے تھے مگر درین اس گھر کے واحد فرد حسام ابن امان پر چچا کے تمام الزامات سو فیصد لاگو کرتی تھی۔

"حسام! تم اپنے کام سے کام رکھو تو بہتر ہو گا اور اگر بالکل فارغ ہو تو پھر بھی مجھے تاڑنے کے بجائے کہیں اور جا کر مٹر گشت کرو۔" وہ انتہائی جلے کٹے لہجے میں بولی۔ اس شخص کی آنکھوں میں بسی شریر مسکراہٹ اسے زہر لگ رہی تھی۔

"جب آس پڑوس کا ماحول ہی سازگار ہو تو پھر خواہ مخواہ کا مٹر گشت ناشکری میں شمار ہوتا ہے۔" اس کا متبسم لب و لہجہ اسے مزید سلگانے کے لیے کافی تھا۔ وہ اپنے مخصوص موڈ کے ساتھ چند قدم اور آگے آیا

"کاش کہ کسی "خالص" آوارہ گرد کو دیکھنے کی اذیت نہ سہنی پڑتی۔" اس نے حسام پہ نگاہ ڈال کے منہ بگاڑا۔ حسام نے قہقہہ لگایا۔ لفظ خالص نے اسے خاصا مزا دیا تھا۔

"شکر کرو کہ تمہارے عطا کردہ القاب کا میں استعمال نہیں کرتا ورنہ...... تمہارے چچا حضور کی خیر نہیں تھی۔" وہ ہنستے ہنستے لمحہ بھر میں سنجیدہ ہوا۔ پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید گویا ہوا۔ "ہمارے گھر کا خوشیوں بھرا ماحول ان کے کارڈ واپس کرنے کی وجہ سے خانہ جنگی میں بدل چکا ہے، ایک طرف دادی ٹسوے بہا رہی ہیں، دوسری طرف بابا سلطان راہی بنے ہوئے ہیں۔"

"مجھے تمہارے گھریلو مسائل میں قطعاً دلچسپی نہیں۔" اس نے سرخ چہرے کے ساتھ جواب دیا حالانکہ دادی کی حالت سن کے وہ مضطرب ہو چکی تھی۔ اب کے اس کا ہاتھ اس قدر طیش اور غصے کے عالم میں دروازہ پہ پڑا تھا کہ نور چچی کے اگلے پچھلے بھی ہڑبڑا کے جاگے ہوں گے۔

"مطلب تمہیں صرف میرے بیرونی معاملات میں دلچسپی ہے۔" وہ جاتے جاتے بھی اسے چڑانے سے باز نہیں آیا تھا۔ وہ شاید اسے کچھ جواب دیتی کہ اس کے پاس گلی کا ایک بچہ ٹھہرا۔ اس نے درین کے کان میں کچھ کھسر پھسر کی۔ اب وہ اوائل مارچ میں بھی پسینہ پسینہ ہو رہی تھی تو قصور مارچ کا نہیں تھا بلکہ بچے سے ملنے والی خبر نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"اے ہے...... آ رہی ہوں۔ صبر کرنا سیکھو۔" تب ہی دروازہ کھلا۔

"نیند کے لیے اللہ نے رات بنائی ہے چچی۔" وہ ان کی خمار آلود آنکھوں کو دیکھ کے ٹونکہ ہوئی، پھر صحن میں جا بجا پتوں کا ڈھیر دیکھ کے اس کا مزاج مزید بگڑا۔ اس نے قریبی چارپائی پہ فائل پھینکتے ہوئے دوپٹے سے چہرا رگڑا۔ — اندر کچن میں جاتی نور چچی کو پُرسوچ نگاہوں سے دیکھا پھر دھیمے قدموں سے ان کے پیچھے ہی چلی آئی۔

"پنوں ابھی تک نہیں آیا۔" اس نے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے لہجہ سرسری ہی رکھا۔

"کہہ رہا تھا، شام تک دکان پہ بیٹھوں گا۔" چچی

نے ماچس اٹھائی پھر کسی خیال کے تحت درین کو بغور دیکھا جس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ ان کے قریب ہی کھڑی تھی، اس نے ماچس چچی کے ہاتھ سے لی۔ وہ تذبذب کا شکار بھی لیکن بتانا بھی ضروری تھا۔

"پنوں آج پھر ثریا کی گلی میں گیا تھا۔" وہ ہولے سے بولی اور تیلی جلائی۔ اس نے شاید جڑواں تیلیاں جلائی تھیں کہ تیز شعلہ بھڑکا۔

"ہائے میرے اللہ۔" نور کا لمحاتی سکتہ ٹوٹا۔

درین کو فی الحال پیٹ کی پڑی ہوئی تھی ورنہ اس کے پاس ایک بریکنگ نیوز اور بھی تھی اور اگلے لمحے اس نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے۔ ادھر کھانا گرم ہو رہا تھا، ادھر چچی گرم ہو چکی تھیں۔ ایک بار پھر پنوں کی سات نسلوں کی ہر غلطی تازہ ہو رہی تھی پھر جب کچن میں خاموشی چھائی تو اس نے پلٹ کے دیکھا، چچی اچاری لیموؤں کی پرات اٹھائے صحن میں جا رہی تھیں۔ وہ بھی کھانے کی ٹرے لیے وہیں آ گئی۔

ابھی اس نے پہلا نوالہ ہی توڑا تھا کہ منڈیر پہ بیٹھا کوا چلانے لگا، اس نے کوے کو گھورا...... تو نگاہ منڈیر سے پھسل کر بے رنگ دیواروں پر ٹکی۔ اس نے دوسری نگاہ گھر کے عین سامنے لش پش کرتے امان ولا پہ ڈالی، وہ حاسد نہیں تھی مگر اس کی نگاہ تقابل کی بنا پر جھکی تھی۔

"کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ "امیری اور غریبی کا فرق صاف نظر آتا ہے۔" اس نے حسرت زدہ سی آہ بھر کے کہا تو نور کے مصروف ہاتھ کچھ پل کو بے حرکت ہوئے۔

یہ آمنے سامنے کے دونوں گھر برسوں پہلے ایک ساتھ تعمیر ہوئے تھے۔ ادھر ہر سال قیمتی پینٹ کروایا جاتا، ادھر سال بھر کی بارشوں کی خوراک دیواروں سے جھڑتا سیمنٹ تھا۔

"جس گھر کے مرد نسل در نسل کما رہے ہوں، وہاں خوش حالی کا سلسلہ بھی نسل در نسل چلتا ہے۔"

نور نے سر اٹھایا اور مندی آنکھوں سے امان ولا کو دیکھا جس کو آج برقی قمقموں سے سجایا جا رہا تھا۔ اس نے نگاہ موڑی اور سر جھکا لیا۔

"یہاں تو نسل در نسل عیاش اور نکمے ہی پیدا ہوئے، اس گھر میں تازہ رنگ و روغن کی خوشبو کیسے آ سکتی ہے۔" ان کی آواز دھیمی ہوئی۔

درین نے اپنی کرسی چارپائی کے قریب گھسیٹی۔

"آپ کو پتا ہے کہ اکبر بھائی کی مہندی کا فنکشن گھر پر ہو رہا ہے۔" آواز سپاٹ تھی، اس نے ہر طرح کی بے چینی حلق سے نیچے ہی دبائی تھی۔

نور ایک بار پھر کام چھوڑ کر اس کا سپاٹ چہرہ تک رہی تھیں۔

"ارے، میں پوچھتی ہوں، تمہارے پاس کوئی ڈھنگ کی خبر بھی ہے کہ نہیں۔" انہوں نے اپنے چہرے کے آگے سے مکھیوں کو ادھر ادھر کیا۔ وہ سچ مچ پریشان ہو چکی تھیں۔ "ادھر تمہارا ابا اس جیتے جاگتے خاندان پہ ہر روز فاتحہ پڑھتا ہے۔ ادھر بڑی اماں کے محبت بھرے بلاوے، یہ رسم کسی ہوٹل وغیرہ میں ہوتی تو خیر تھی مگر اب تو مہندی کی رسم پچاس قدموں کے فاصلے پر ہو رہی ہے اور اگر اماں بہ نفس نفیس آ گئیں تو انکار بھی مشکل۔"

اچاری لیموؤں کی تمام ترشی ان کے لہجے میں تھی۔

"ویسے چچی! اکثر ایک بات میرے ذہن میں آتی ہے۔" وہ تھوڑا آگے کو جھکی۔ "ہو سکتا ہے کہ ان ٹھیکے داروں نے سچ سچ ہم سے دشمنی نکالی ہو۔ یہ لٹیرے اور غاصب ہوں۔" وہ راز داری سے گویا ہوئی۔

"ارے بیٹا! کاہے کی دشمنی...... کاش کہ کوئی دشمن ہوتا تو بندہ اس کے سر الزام تھوپ کے دل کی بھڑاس ہی نکال لیتا۔" نور کی آواز نم ہوئی۔

"تمہارے باپ دادا تو اپنی جڑیں خود ہی کاٹتے رہے۔ کسی ایرے غیرے کو دشمنی کا موقع ہی کب دیا۔ ارے ہماری تمہاری زندگی کے اچھے وقت تو خاندان نے اپنی محبوبہ کی چھاپ تلک پہ قربان کر دیے۔ کم ذات ساری دولت کھا گئی اور ہمارے لیے یہ سیمنٹ

جھڑتی دیواریں ہی چھوڑ گئی۔"

چچی نے ___ ماتھا پیٹا تھا۔ درین کی سانس جیسے اتھاہ میں اتر کے ابھری۔ اس نے چچی سے نگاہ بچا کے اس چوڑے ستون کو دیکھا جس کے دوسری جانب وہ دم سادھے کھڑی تھی، کوئی بھی نہیں جانتا تھا، بس درین جانتی تھی کہ کیسری آج بھی اس بوسیدہ گھر میں اپنے محبوب کی خوشبو ڈھونڈتی تھی۔

☆☆☆

دادی اور چچی جس طرح گھر میں قدم رکھتے ہی کیسری نام کی مالا جپنے لگتی تھیں تو وہ حیران ہوتی کہ جیسے کیسری اپنا نام سنتے ہی ان کے مقابل آجاتی تھی۔ وہ پریشان ہوتی رہتی کہ جوان دونوں خواتین کو نظر آتی تھی، وہ اسے نظر کیوں نہیں آتی۔ اسے دیکھنے کی خواہش اس کے اندر شدت پکڑتی جارہی تھی۔

دادی کی وفات کے بعد جب اماں چچا آبائی حویلی بیچ کے آئے تو اپنے ساتھ کچھ سامان بھی لائے تھے۔ جس میں ایک عجیب طرز کا بکسا بھی تھا۔ "یہ ڈیرے کے اس کمرے سے ملا ہے جہاں خانان نے زندگی کا آخری وقت گزارا تھا۔" انہوں نے وہ بکسا بیوی کے سامنے رکھا جسے کھولتے ہی چچی یوں اچھل کے پیچھے ہٹی تھیں جیسے اندر اژدھا دیکھ لیا ہو۔

"اس میں تو اس کم ذات کی چیزیں ہیں، جا...... اسے دیوار کے پاس الٹ کے انہیں آگ لگا دے۔"

وہ بارہ سالہ درین کو یہ حکم دے کر باقی سامان کی طرف متوجہ ہوئیں۔ درین نے دیوار کے ساتھ کچھ جلایا تو ضرور تھا مگر وہ بکسے سے برآمد ہونے والا نہیں تھا۔ اس نے وہ چند چیزیں سیلن زدہ اسٹور کے ایک محفوظ مقام پہ چھپادی تھیں اور گرمیوں کی ایک طویل دوپہر میں جب چچی خراٹے لے رہی تھیں تو وہ سامان والے کمرے سے ملحق اس چھوٹے سے اسٹور میں چلی آئی۔ اس نے کپڑے کی پوٹلی میں سے ان چار چیزوں کو نکالا جو اس کی آنکھیں خیرہ کررہی تھیں۔ ایک ریشمی ساڑھی، صرف ایک پازیب اور کانچ کی ڈبیا میں رکھے دو تلک...... اور چوتھی چیز ایک تہہ شدہ خط تھا۔

"آپ نے میری نہیں بلکہ ان لمحات کی قیمت میری دیدی کو چکائی جو میں نے آپ کے ساتھ گزارے اور جب میری دیدی نے محسوس کیا کہ آپ کے پاس مجھ پہ لٹانے کو کچھ نہیں رہا تو وہ مجھے آپ کی دنیا سے چرا کر بہت دور لے آئی ہے۔ دیدی نہیں جانتی کہ میرا سب کچھ تو وہیں رہ گیا ہے۔ میں تو اب بھی خانان کے گھر میں رہتی ہوں۔ کیسری ایک رقاصہ تھی جو آپ سے ملنے کے بعد امیر خسرو کا کلام ہوگئی اور وہی کلام اوڑھے ہوئے خاک ہوجائے گی۔ میری چھاپ تلک تو آپ کے پاس رہ گئی، اب تو کیسری بنا رنگ، بنا سنگھار کے رقص کرتی ہے۔ اپنی چند نشانیاں جان جوکھوں میں ڈال کے آپ تک بھیج رہی ہوں۔"

خط پڑھنے کے بعد درین کافی دنوں تک اسے گھر میں تلاش کرتی رہی تھی جس کا کہنا تھا کہ وہ اب بھی خانان کے گھر میں رہتی ہے پھر ایک دن وہ اسے نظر آگئی تھی۔ اس دوپہر اس نے کیسری کی ساڑھی نہایت مہارت سے باندھی تھی، اس نے پازیب بھی پہن لی اور تلک لگانے کے بعد جب وہ اسٹور میں پڑے چارفٹے آئینے کے سامنے آئی تو اس خنک اسٹور کے ملگجے اندھیرے میں اس نے زرد ساڑھی میں ملبوس کیسری کو زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا، اب وہ یقین کرسکتی تھی کہ وہ وہیں رہتی ہے۔

☆☆☆

"دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی لیکن برسوں بعد بھی اس گھنار رئیس کی سوچ وہیں اٹکی ہوئی ہے۔ جانے اسے عقل اور غیرت کبھی آئے گی بھی کہ نہیں۔"

اس کے باپ کا موڈ نہایت برہم تھا۔ وہ چوکھٹ کے پاس بس لمحہ بھر کو رکا پھر ایک گہرا سانس بھرتا ہوا اندر چلا آیا۔

حسام اب ایسی باتوں کا عادی ہوچکا تھا کہ راجپوتوں کے ہاں اس کے باپ دادا کی درگت بھی

قصائیوں کے انداز میں بنائی جاتی تھی۔

"میرا ہی دماغ خراب تھا جو اسے شادی کا دعوت نامہ بھیجا ورنہ یہ خاندان تو اب منہ لگانے کے قابل ہی نہیں۔" اس کے باپ نے نخوت سے سر جھٹکا تو بیٹا اس بات پر مبہم سا مسکرایا۔

"چلو حساب برابر ہوا، کہ درین کے خیال میں ٹھیکے دار دل لگانے کے قابل نہیں تھا۔" اس نے یہ دادی کا تخت سنبھالتے ہوئے ہی نہایت سکون سے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

"بات صرف رئیس کی ہو رہی ہے۔ اس سارے قصے میں باقی خاندان کہاں سے آ گیا۔" دادی بھڑک کے بولیں جس کی تائید حسام نے اپنے خاموش وجود کے ساتھ کی۔

"کوئی قصوروار ہے یا نہیں مگر میں پھر بھی یہی چاہوں گا کہ ان لوگوں سے اب مزید تعلق رکھنا حماقت ہے۔" امان ماں کا بگڑا موڈ دیکھتے ہوئے قدرے نرم پڑے۔

حسام نے دروازے کے ساتھ پڑے گملے میں کھلے کاسنی سے پھولوں پہ کافی غور کیا، جانے وہ کس رنگ کے تھے۔

"تو بس پھر آج سے میرا شمار بھی احمقوں میں ہی رکھو۔" دادی نے ایک خوش رنگ چادر اوڑھتے ہوئے اپنی ملازمہ گڈی کو آواز دی۔

"اور میرا شمار بھی۔" حسام نے مسکراہٹ دباتے ہوئے بے آواز سی سرگوشی کی۔

"آپ کی باتوں کی یہ اہمیت ہے کہ اماں وہاں جاتے ہی رئیس کی بیوی اور بھتیجی کے پاؤں پڑ کے انہیں رسم میں شمولیت پہ مجبور کریں گی۔" حسام کی ماں جلتی بھنتی شوہر سے مخاطب ہوئی، جیسے شوہر اس کی بات سنتے ہی ماں کا راستہ روک لے گا۔

"اماں تو اس خاندان پہ ہمیشہ ہی واری صدقے جاتی ہیں۔ نور اور درین کو یوں سر آنکھوں پہ بٹھاتی ہیں جیسے وہ کسی بادشاہت سے اٹھ کے آئی ہوں۔"

بہو نے نہایت کڑھتے ہوئے ناک بھوں چڑھائی۔ حسام ایک بار پھر مسکرایا۔ وہ دادی کے سر کیا الزام رکھتا کہ اس کا اپنا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ وہ بھی واری صدقے جاتا تھا۔

"دولت، عزت، نیک نامی سب کچھ ان کے مردوں کے ہاتھوں نیلام ہوا، ورنہ ان آنکھوں نے دیکھا تھا کہ اس گھرانے کی عورتیں بادشاہت کی ہی مالک تھیں اور ہم...... ہم جٹ عورتیں تو ان کی بہو بیٹیوں سے نگاہ ملا کے بات کرنے سے ہچکچاتی تھیں۔ یہ کنگن مجھے رئیس کی ماں نے منہ دکھائی میں دیے تھے۔" دادی نے کلائیاں بہو کو دکھائیں، دادی کی دھیمی آواز میں بلا کی گونج تھی۔

"جو کچھ بھی تھا، سب ختم ہو چکا اماں۔" بہو نے قیمتی انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ بے نیازی سے جھلایا اور طنزیہ مسکرائی۔

"اب جمال اور رئیس کا ذکر اچھے لفظوں میں کون کرتا ہے، اوپر سے پنوں ہے تو آئے دن گلی میں دنگا فساد برپا رکھتا ہے۔ مان لیں اماں کہ ہمارے معاشرے میں عورتوں کی عزت گھر کے مردوں کے کردار اور کمائیوں کی بنا پہ ہوتی ہے۔"

اس کا انداز تحقیر بھرا تھا، حسام نے لب بھینچ کے بے ساختہ دادی کو دیکھا جنہیں اس بات نے ملول کر دیا تھا۔

"خاندانی لوگوں کی عزت میں دولت کے ختم ہونے سے کمی نہیں آتی۔ نسلوں کو تہذیب کا نہ ہونا بگاڑتا ہے، راجپوتوں کی بہو بیٹیوں کے مزاج اور چال چلن میں ان کا نسلی وقار آج بھی جھلکتا ہے۔ عورت کو کسی بھی رشتے میں چور اچکا یا عیاش مرد گوارا نہیں پھر وہ ان کی وجہ سے کیوں بے توقیر ٹھہرائی جائے۔ اس لیے نور اور درین ہمیشہ میرے لیے واجب عزت رہیں گی۔ معاف کرنا امان! میں ان سے کبھی تعلق نہیں توڑ سکوں گی۔"

وہ اپنا فیصلہ سنا کے ان کا ردعمل جانے بنا خارجی دروازے کی طرف چل دیں۔

حسام کو ان تمام باتوں کی کچھ پروا نہیں تھی۔ اس کی نگاہ گملے پہ ٹکی تھی، اس نے کافی سوچ بچار کے بعد جان لیا تھا کہ ان کاسنی پھولوں کا رنگ بالکل وہی تھا۔ درین نے آج جس رنگ کا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ لمحاتی تاخیر کے بعد وہ بھی دادی کے پیچھے ہی نکل آیا تھا۔

☆☆☆

گلی میں آتے ہی اس کی نگاہ تیز رفتاری سے چلتی درین پر پڑی۔ جانے ان قدموں کی آہٹوں کو یہ کیسا ہنر آتا تھا کہ وہ آواز دھڑکنوں سے الجھتی تھی۔

''تم نے آج پھر خالہ شہناز کا خرگوش چرا لیا ہے۔'' اس نے مشکوک نگاہوں سے تاڑا کہ درین کے دونوں ہاتھ چادر کے نیچے کچھ چھپائے ہوئے تھے، وہ ذرا سا خفت کا شکار ہوئی کہ وہ اکثر اسے بچپن کی حرکتیں یاد دلاتا رہتا تھا۔

''چور ہوگے تم۔'' اس نے ناک چڑھا کے جواب دیا۔

''تو پھر کیا چھپا رکھا ہے؟'' وہ اس کے راستے میں آیا۔

درین نے چڑ کے اسے دیکھا۔ اس نارنجی سی شام میں اس کی سفید شرٹ چنچل سی ہو رہی تھی۔ وہ مسکراتا چہرہ اتنا برا بھی نہیں تھا، وہ چہرہ نظر لگا کے بھی دیکھا جاسکتا تھا مگر اس نے تیزی سے نگاہ موڑی۔

''تمہیں کیا پتا کہ جب شرفا کے ہاں مہمان آتے ہیں تو خاطر تواضع کا سامان کچن میں باپردہ ہی پہنچایا جاتا ہے۔'' اس نے جانے کن وقتوں کی روایات یاد کرتے ہوئے اس قدر شاہانہ انداز میں کہا تھا کہ وہ بے ساختہ ہنسا۔

''اللہ رے۔'' وہ اس کے ناز و انداز کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے کوئی شریر سا جواب دینے لگا تھا کہ اس کی توجہ ان کے گھر سے باہر آتی ماسی وچولن کی طرف مبذول ہوئی۔ حسام کی تشویش بھی بے ساختہ تھی۔

''ہائے ماسی جی! واپس آئیے۔ میں تو چائے لے پرچہ حا کے دکان پر آئی تھی۔'' درین اس کے پیچھے لپکی۔

''ارے معذرت بیٹا! اگلی بار آؤں گی تو سارے سموسے بھی کھاؤں گی۔'' وہ یقیناً جلدی میں تھیں کر جواب دیتے دیتے چوک تک جا پہنچی۔

''یہ فسادن ماسی یہاں کیوں آئی تھی؟ اور اگلی بار کیوں آئے گی؟'' اس نے دونوں سوال خاصے تفتیشی انداز میں پوچھے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سلسلہ پنوں کے متعلق نہیں ہوسکتا۔ گھر کے ریپ پر کھڑی درین نے اسے تیکھی نظروں سے گھورا تو اس شخص کی آنکھوں میں تیرتی بے چینی نے اسے خوب شانت کیا۔

''کیا مطلب کیوں آئی تھی؟'' وہ تیوری چڑھا کے مخاطب ہوئی۔ ''کیا میں تمہیں دودھ پیتی بچی نظر آتی ہوں۔''

وہ اسے تنگ کرنے کی غرض سے اس سے بھلا جھوٹ بھی بول سکتی تھی اور وہ صرف تنگ ہی نہیں ہوا تھا اس کی اتراہٹ پر تڑپ کے رہ گیا تھا۔

''تمہارا مطلب ہے کہ تمہارے رشتے کی بات چل رہی ہے۔'' وہ اک بے یقینی کے عالم میں تھا۔ وہ گھوم کے مسکرائی۔

''نہیں، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ اصل قصہ یہ ہے کہ ہمارے گھر میں نیم کے تینوں پیڑ اب شادی کے قابل ہو چکے ہیں۔'' وہ بھنا کے بولی اور پیر پٹختی ہوئی گھر میں گھس گئی۔ وہ اس کے جواب پہ اچھا خاصا محظوظ ہوا...... اور بات سمجھنے کے بعد اپنے فلک شگاف قہقہے کو روک نہیں پایا تھا۔ صحن میں بیٹھی اس کی دادی اور نور چچی نے جان لیا تھا کہ درین کے چہرے کا تناؤ شاید اسی قہقہے کا ردعمل تھا۔

☆☆☆

درین نے چائے کے برتن سمیٹتے ہوئے بالکل خاموش بیٹھی چچی پہ اک گہری نگاہ ڈالی، پھر برتن اٹھا کے کچن کی جانب چل دی۔ وہ واپس آئی تو چچی ہنوز اسی حالت میں تھیں، اس نے کرسی گھسیٹی اور جیسے ان کے کان میں گھسی۔

"وادی تو سمجھو، ہمارے پاؤں ہی پڑ گئی تھیں، اب آپ کا کیا فیصلہ ہے؟" درین کے لہجے میں بیچارہ بد پڑیوں کی سی چکار تھی کہ اب کیا ہوگا۔ چچی نے اپنی عینک درست کر کے ادھر ادھر دیکھا۔

"فیصلہ کیا...... اب تو ہر حال میں شرکت ہوگی۔" انہوں نے آواز دھیمی ہی رکھی۔

"اور چچا میاں؟" اس کی معصوم آنکھیں چوپٹ کھلی تھیں۔

"وہ آج کل اپنے سسرالیوں کی شادیاں بھگتا رہے ہیں اور بالفرض یہاں ہوتے بھی تو اب میں ان کے لڑائی جھگڑوں سے نہیں ڈرتی۔ وہ اپنے گھر خوش اور ہم اپنے گھر خوش۔"

وہ درین کے تمام خدشات پہ مٹی ڈالتے ہوئے سرد لہجے میں بولیں تو بے حد پرسکون تھیں اور بے یقین سی بیٹھی اس لڑکی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ خوش ہے تو خوشی کا اظہار کس طرح سے کرے۔ اس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے اک گھنی شاخ کو پکڑا پھر اسے زور سے جھلا کر پرندوں کو نیم کے درخت سے چلتا کیا تو بے شمار پروں کی ہلکی پھڑ پھڑاہٹ نے ان کے صحن میں پھیلی خاموشی کو جیسے چونکا دیا تھا۔

☆☆☆

تیسری بار تھی کہ وہ استری بند کر کے صحن میں آئی تھی پھر سر اٹھا کر نیم کی گھنی شاخوں میں کچھ تلاشنے لگی مگر اس نئی نویلی بولی کا مالک پرندہ جانے کہاں چھپا بیٹھا تھا، اس کی اس حرکت پہ چارپائی پہ نیم دراز پنوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ پھر اس سے مخاطب ہوا۔

"سو بار بھی دیکھو گی تو نیم کے درخت پہ نیم کے پتے ہی نظر آئیں گے، سونے کی ڈلیاں نہیں۔" وہ استہزائیہ ہنسا جبکہ اپنا والیم ہلکا ہی رکھا۔ وہ رات کو گھر آیا تو دروازہ درین نے ہی کھولا تھا۔ پنوں کا سامنا ابھی تک اپنی ماں سے نہیں ہوا تھا جو صحن سے ملحقہ واش روم میں ظہر کا وضو کر رہی تھیں۔

"مجھے سونے کی ڈلیاں چاہیے بھی نہیں۔" وہ خاصا تنک کے بولی اور نگاہ دوبارہ پتوں میں گھمائی۔

"آج کل ہمارے درختوں پہ کوئی مسافر پرندہ آیا ہوا ہے، جس کی بولی خوش کن ہے اور......"

"ہاہاہا......" پنوں جانے کیوں ہنسا تھا کہ اس کے بے ڈھنگے قہقہے نے درین کی خوب صورت کیفیات کا بیڑہ غرق کیا۔ وہ اسے گھورتی رہ گئی۔

"جب پردیسی پہ بھی ہماری اوقات کھلے گی تو یہ باقی پرندوں کی مانند یہاں سے کوچ کر جائے گا۔" وہ ایک ہی جماہی لیتے ہوئے بالکل چت لیٹ گیا۔

"اللہ کسی انسان کو بے اوقات پیدا نہیں کرتا، انسان کی حرکتیں اسے بے اوقات کر دیتی ہیں۔ ہم کبھی ایک صاحب جائیداد خاندان کے مالک تھے، جب جائیداد ٹکڑا ٹکڑا ہو کے بک گئی تو سمجھو، دنیاوی سوچ کے مطابق ہمارا وقار بھی ان ہی ٹکڑوں کے ساتھ بک گیا ورنہ اللہ کے نزدیک تو آج بھی وہی بہترین ہے جو پرہیزگار ہے۔"

وہ برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے کھڑی تھی، وہ اسے کیسے سمجھاتی کہ جو گزر گیا اس پر کیسا ملال۔

"شاید تم سچ کہہ رہی ہو۔" اس کی آواز غنودہ تھی، جیسے مارچ کی میٹھی ہوا اسے تھپکیاں دے رہی تھی، درین نے اس سے نگاہ ہٹا کے میز پر پڑے ان ڈبوں کو دیکھا جن میں مختلف اقسام کے اچار تھے۔ جنہیں چچی قریبی مارکیٹس میں سپلائی کرتی تھیں۔

کاش ان کا گھر بھی مردوں کی کمائی پر چلتا۔ اس کی ٹھنڈی آہیں اس وقت امان ولا کی لائٹنگ کی طرح بجھی ہوئی تھیں جن کی چکاچوند نے رات کو اس کے اندر کسی تان سین کی روح پھونک دی تھی کہ اس نے صحن میں گھوم گھوم کے چچی اور دادی کے وقتوں تک کے سارے گیت گا لیے تھے، وہ دوسروں کی حیثیت اور رتبے سے حسد کا شکار نہیں تھی مگر اسے اپنی حیثیت بھی نہیں بھولتی تھی کہ وہ بھی حسب نسب میں لاجواب تھی۔

"ویسے پنوں! میرے پاس ایک خبر ہے۔ شرط یہ ہے کہ تم اسے تحمل کے ساتھ سنو گے۔" وہ کچھ سوچتی

ہوئی سرعت سے اس کی جانب آئی۔

پنوں نے نیند میں غرق ہوتی آنکھیں پٹ سے کھولیں۔ اسے الہام سا ہوا کہ درین کی خبر کا تعلق گڑیا کے حوالے سے تھا لیکن اس ذکر کا ستارہ ابھی چکا نہیں تھا کہ واش روم کا دروازہ کھٹ سے کھلا۔

☆☆☆

"گڑیا کو کمرے میں بند کر دینا، اس سے فون چھین لینا، اس پر کڑے پہرے لگائے رکھنا، یہ اس مسئلے کا حل نہیں ہے اماں۔" شاہد نے ماں کے ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے نرمی سے سمجھایا۔

سکینہ نے اپنے امریکہ پلٹ بیٹے کو حیرت سے گھور کے اور آنکھیں پھاڑ کے دیکھا۔

"تو کیا کروں، اسے کھلی چھوٹ دے دوں کہ وہ اس آوارہ پنوں کے ساتھ گھر سے بھاگ جائے۔" اپنا اشتعال کنٹرول کرتے کرتے بھی ان کی آواز کئی جگہ سے پھٹ گئی تھی۔

"گھر سے بھاگنے کی نوبت تب آئے گی جب ہم زبردستی کا فیصلہ اس پر مسلط کریں گے۔ ہمیں جو بھی فیصلہ کرنا ہے، اس کے جذبات کو سمجھتے ہوئے کرنا ہے پھر پنوں نہ صرف اچھے خاندان سے ہے بلکہ پڑھا لکھا بھی ہے اماں اور......"

بیٹے کی ان باتوں نے اسے مشتعل کیا۔ وہ اس کی بات کاٹ کے گہری سیاہ ہوئی۔

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ میں اپنی نادان بیٹی کے جذبات کو سر آنکھوں پہ رکھوں اور اس کنگلے آوارہ سے بیاہ دوں، جسے تم تعلیم یافتہ اور اچھے خاندان کا کہہ رہے ہو۔ ارے میں کہتی ہوں ذرا اس کے باپ دادا کے کرتوتوں پہ تو نظر ڈالو۔ کیا اس خاندان کا کوئی بھی بشر قابل اعتبار ہے۔ پنوں کا باپ سرالیوں کے ساز بجا کر تین وقت کی روٹی کھاتا ہے یا پھر سالے کی دکان پہ چاکری کرتا ہے اور اگر خدانخواستہ گڑیا کا نصیب وہاں جڑ بھی جائے تو اسے حالات کی سختی وہاں ٹکنے نہیں دے گی۔ اگر بھی اسے وہاں عزت کی بھوک لاحق ہوگئی تو جمال کی بیوی کی طرح اپنی اولاد تک کو چھوڑ کے بھاگ آئے گی اور اگر صرف پیٹ کی بھوک یاد رکھے گی تو نوری کی طرح ساری زندگی اچار ڈالتی رہ جائے گی۔ یہ تمہاری امریکہ کی سوچیں یہاں کام بگاڑیں گی شاہد...... جہاں تک گڑیا کے رشتے کی بات ہے تو سمجھو کہ اب طے ہونے ہی والا ہے۔"

وہ بیٹے کو حیرت و پریشانی میں گم چھوڑ کے آرام سے چھالیہ کترنے لگی۔

☆☆☆

پنوں کو ماں سے چھپنے کی جگہ تلاشنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب وہ بلا کا ڈھیٹ ہو چکا تھا۔ نور کیلی چپل کی چش چوں چش چوں کے ساز بجاتی اس کے سر پہ پہنچیں۔

"میں پوچھتی ہوں پنوں! تیری کوئی عزت ہے بھی کہ نہیں؟" ان کا یہ انداز متاثر کن تھا کہ وہ غصے میں بھی آواز کا تحمل برقرار رکھتی تھیں۔

اس نے سر اٹھا کے ماں کو یوں دیکھا جیسے صدیوں پہلے اس ایک لفظ عزت پہ سردار نیل اپنے گھر والوں کو متعجب سا ہو کے دیکھتا ہوگا پھر اس نے ایک رنگ برنگی آہ بھر کے یک لفظی اقرار کیا۔

"نہیں۔"

اس کے جواب پہ درین کی ہنسی چھوٹی، وہ منہ چھپانے کو جھکی اور زمین پہ پڑی نمولیاں چننے لگی۔

"تو پھر ہماری عزت کا خیال رکھ لیا کر۔" بےچاری اسے تادیر گھورنے کے بعد اس کے سوا اور کیا کہہ سکتی تھیں۔ درین مٹھی بھر نمولیاں چن کے سیدھی ہوئی۔

"اس افراتفری کے دور میں ہر بندہ اپنی عزت کا خیال خود رکھتا ہے اماں۔" اس نے کیا پڑھا لکھا جواب دیا تھا۔

"آپ کی اجازت ہو تو خالہ سکینہ اور اس کے بدمعاش بیٹوں کو میں اچھی طرح سمجھا سکتا ہوں، لڑکی ان کے پرکھوں کی ملکیت نہیں ہے۔ غضب خدا کا، وہاں سے ہر ایرا غیرا نتھو خیرا گزرے سو گزرے

"بس ایک پنوں رئیس کا گزرنا گوارا نہیں۔"

اس نے کندھے اکڑائے۔ اس کی بھاری آواز میں خاندانی غرور کی جھلک نمایاں ہوئی تو درین کے ہاتھ پہ رکھی نمولیاں ایک تفاخر سے مسکرائیں۔

"مگر ان کی گلی سے بچ پنوں رئیس گزرتا تو سکینہ اور اس کا خاندان صدقے واری جاتا۔ اب ان کی جان اس لیے نکلتی ہے کہ وہاں سے پنوں کنگال گزرتا ہے۔" چچی نے خوب تپ کے کیسا تیر اچھالا تھا کہ نمولیوں کا تفاخر ٹوٹا اور پنوں کی آنکھ جھکی۔

"آپ جانتی ہیں اماں! کہ گھر میں پیسے کی تنگی تھی پھر بھی میں نے ایم کرلیا۔ اب خالی ایم اے پر مجھے نوکری نہیں ملتی تو اس میں میرا کیا قصور۔" وہ غصے سے لال پیلا ہوا۔ درین کا وجود ٹھنڈا ہوا۔ اس نے کڑوی نمولیاں زمین پر پھینکیں۔

"تائی نے بہت اچھا کیا جو اپنے نشئی اور عیاش شوہر کو چھوڑ کے دوسری شادی کرلی۔ اب وہ اس قابل تو ہے کہ اپنی بیٹی پر پیسہ لگا رہی ہے آپ دیکھیے گا جوں ہی درین کی تعلیم ختم ہوگی، اسے بہترین ادارے میں جاب مل جائے گی۔"

وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا، یقیناً کوئی کڑوی نمولی درین کے ہاتھ میں رہ گئی تھی جس کی کڑواہٹ نے اس کی رگ رگ کو چھوا۔

"مگر آپ نے بھی ماضی میں کوئی ایسا ہی فیصلہ کرلیا ہوتا تو آج میں بھی کسی مقام پر ہوتا۔"

وہ لفظ چبا کے بولا اور بھاری دھپ دھپ کرتا صحن عبور کرگیا۔ ان برفیلے جملوں نے ان دونوں عورتوں کو سن کردیا تھا، وہ اسے گھر کا دروازہ پار کرنے تک دیکھتی رہیں۔

☆☆☆

ایک تو آج دن ہی مشکل سے ڈھلا تھا اور اس نے رات کا منہ جیسے مدت بعد دیکھا تھا، اب ایک ایک گھڑی کا حساب رکھتے حسام کو وہم ستانے لگے تھے کہ شاید درین نہ آئے لیکن ایک تسلی بھی آس پاس ہی تھی کہ دادی کے اصرار کے باوجود بھی وہ شرکت نہ کرتی، یہ ممکن نہیں تھا۔

وہ کتنی ہی دیر سے جیسے ایک ہی جگہ جم کے کھڑا تھا۔ اس نے ہر سو نگاہ دوڑائی۔ اس پر اہتمام ماحول کی رونق عروج پر تھی، اس بھرپور ماحول میں کہیں کچھ کمی نہیں تھی جو کہیں بھی تھی۔ وہ اس کے اندر تھی کوئی اندازہ کرسکتا تھا کہ وہ لڑکی اس کے لیے کس قدر اہم تھی۔

حسام نے محض اس ایک ہستی کے لیے ایک فنکشن کا ارینج گھر میں کیا تھا اور اس تمام بھاگ دوڑ میں اب وہ تھکن سے چور ہوچکا تھا۔ ہر لمحے بعد اس کے انتظار سے ایک خوش نما رنگ جھڑ رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے برآمدے کی دیوار کے ساتھ لگے کشادہ آئینے میں اپنی تیاری پر تنقیدی نگاہ ڈالی اور پھر ہاتھ میں موجود ٹشو سے لپ اسٹک کا بھی صفایا کردیا۔

"اب ٹھیک ہے نا؟" وہ جیسے کسی سے مخاطب ہوئی۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی، وہ آغاز میں جس سج دھج سے تیار ہوتی تو جانے سے قبل اس ہار سنگھار کا نام ونشان بھی مٹ چکا ہوتا۔

وہ چھوٹے قدموں سے چلتی صحن میں آئی تو امان ولا کے دیوار و در سے پھوٹتی جدید لائٹنگ میں نہا گئی۔ لڑکپن میں وہ دادی کی زبانی سنتی تھی کہ ہم راجپوتی عورتیں جب خاندان سے باہر کسی تقریب میں جاتیں تو میزبان خواتین تعظیماً جھک کے استقبال کرتیں۔ ملازمائیں آواز لگاتیں۔

"ارے دیواروں سے لگو، ڈولی کو راستہ دو۔ خانان کے گھر کی عورتیں آئی ہیں۔" آہ...... وہ وقت کہاں گم ہوا۔" اس نے نم آنکھوں کو جھپکا۔

"ہائے خانان ذرا آکے دیکھو تو تمہاری بہو اور پوتی اب کیسے کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہی ہیں۔"

اب تو انہیں کالونی کے رہائشی ہونے کا لحاظ رکھتے ہوئے خوشی کی کسی بھی تقریب میں مدعو کرلیا جاتا تھا مگر ان دونوں پر میزبان خواتین کی توجہ صفر

برابر ہوتی کہ انہیں کہیں مناسب نشست ملی کہ نہیں۔ وہ اکثر خالی پیٹ ہی گھر لوٹ آتیں۔ وہ دونوں دیکھتیں کہ یہ عزت افزائی ان عورتوں کے حصے میں آتی جن کے مرد اعلا عہدے دار ہوتے یا پھر تگڑے زمین دار ہوتے جب وہ سمجھ بوجھ کی عمر میں پہنچی تو لوگوں کی اس کم ظرفی نے اسے شادی بیاہ میں شرکت جیسے شوق سے بددل کر دیا تھا۔

”تو تم یہاں کھڑی تارے گن رہی ہو اور میں اندر لیتی سوچ رہی تھی کہ تمہاری تیاری ہی ختم نہیں ہو رہی۔“

چچی نے مقابل آکے اسے آنکھیں دکھائیں تو اس نے خود کو فوری کمپوز کیا پھر مسکراتی ہوئی آگے آئی۔

”وی آئی پی لوگ ذرا لیٹ ہی جاتے ہیں۔“

اس کی چال میں اتراہٹ تھی، جتاتی بھی تا کہ کوئی بے تابی سے راہ تک رہا ہے ”اور یہ جٹ خاندان۔“ ان دونوں اور بڑ چڑھا کے منہ ٹیڑھا کیا۔ ”تو کیا ان ٹھیکے داروں کے ہاں سر شام ہی منہ اٹھا کے چل دیتی۔“

اس نے شرخی رنگ کا دوپٹہ سلیقے سے اوڑھا پھر ساتھ چلتی چچی پہ اک تسلی بھری نگاہ ڈالی جو نہایت باوقار دکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

دونوں امان ولا کا گیٹ پار کرنے کے بعد استقبالیہ تک آچکی تھیں، وہ خانان کے گھر کی خواتین تھیں مگر استقبالیہ پر صرف لڑکے بالے ہی موجود تھے۔ اس نے اپنے راجپوتی غرور کو بدقت ایک دو زینے نیچے اتارا اور سامنے سے آتے ایک دیکھے بھالے چہرے کو بغور دیکھا یقیناً وہ گڑیا کا بڑا بھائی تھا تب ہی شاہد نے بھی سیدھ میں دیکھا تو خصوصاً نور کے رویے میں ایک محتاط پن جھلکا کہ ان کے بیٹے نے ان شریف لوگوں کی نیندیں اڑا رکھی تھیں۔ سو قریب آنے پہ انہوں نے قدرے پرتکلف انداز میں اس سے احوال دریافت کیا۔

”اس بار تو کافی سالوں بعد واپسی ہوئی ہے۔“

نور یہ بات کرتے ہوئے بمشکل ہی مسکرائیں۔

”کیا کریں چچی! یہ قید بھی اپنوں کے سکھ کی خاطر کاٹنا پڑتی ہے۔“ وہ درین کے چہرے پر نظر کر بولا تو لہجے میں بے تکلفی اور اپنائیت تھی۔ درین نے اسے رشک بھری نگاہوں سے دیکھا جو اپنے گھر والوں کے لیے پردیس کاٹ رہا تھا۔

”سکینہ آپا نہیں آئیں؟“ نور نے کچھ ہچکچاتے ہوئے اس سے پوچھا۔ سکینہ خاصی منہ پھٹ عورت تھی، اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ کب کہاں کون سا قصہ چھیڑ دیتی۔

”نہیں...... دراصل میرے چچا زاد بھائی کی بھی آج مہندی کی رسم ہے تو میں بھی اکبر سے معذرت کرنے آیا تھا۔“

اس نے متانت سے وضاحت دی تو نور نے طمانیت بھرا سانس لیا۔ وہ دونوں سر کو اثباتی جنبش دیتی آگے بڑھ آئی تھیں وہ وہیں کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ اس نے درین کو کافی سالوں بعد دیکھا تھا۔

☆☆☆

ان کے اردگرد خواتین و حضرات کا جم غفیر تھا۔ ابھی وہ رہائشی عمارت سے چند قدم دور ہی تھیں کہ دادی کی خاص ملازمہ ان کی جانب لپکی۔

”آپ میرے ساتھ آئیں۔“ اور اگلا منظر درین کو حیرت زدہ کر رہا تھا جب دادی عورتوں کا جلوس ہمراہ لیے ان کے استقبال کو آگے آئیں۔

درین پر تشکر سا مسکرائی، ان کے حالات کے برعکس استقبال کی یہ رسم دادی کسی بھلے وقت کو یاد کرکے نبھا رہی تھیں اور یہ بناوٹ نہیں محبت تھی۔ جیسے اس لڑکی کی آنکھوں میں اُمڈتی نمی محض پانی نہیں تھا ایک گہرا رنج تھا، تاہم انہیں چائے پانی بھی نہایت خصوصیت کے ساتھ پیش کیا گیا۔

جب دادی کو مہندی کی رسم کے لیے بلایا گیا تو درین بھی ساتھ ہی ہولی۔ دادی نے رک کے اسے دیکھا پھر جیسے تذبذب کا شکار ہوتی گویا ہوئیں۔

”گاؤں سے بھی تمہاری، ہماری برادری کی

درمیں آئی ہوئی ہیں، اگر وہاں کسی نے تم لوگوں کے بارے میں کچھ الٹا سیدھا ہانک دیا تو مجھ سے کہاں برداشت ہوگا، لہٰذا تم مہندی کا فنکشن کرکے فوری واپس کمرے میں آجانا۔"

دادی اس کا پُرتائیدی انداز میں ہلنا دیکھ کے آگے چل دیں۔ وہ شخص جس کے لیے اب ہر اہتمام کارگر ماند پڑنے لگا تھا، اس لڑکی کو دیکھتے ہی رونق بیرکونے کھدرے چھوڑ کے محفل میں گھس آئی تھی۔

درین نے دور سے ہی اس کی خفگی بھانپ لی تھی۔ اسٹیج سے مووی لائٹس کے گم ہوتے ہی درین نے اکبر کو مبارک باد دینے کے ساتھ ہی مہندی کا فنکشن کیا تو اگلے لمحے حسام اس کے پہلو میں ارکا۔

"ہمارے پیسے جوتوں پر ختم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس کی سنجیدہ آواز کان کے پاس سے ابھری تو وہ اچھی خاصی تلملاہٹ کا شکار ہوئی۔ وہ اسے سادہ سے حلیے میں دیکھ کے جی جان سے کلس رہا تھا اور واقعی درین نے اس شادی کے لیے بس لس پش جوتے ہی خریدے تھے۔

درین نے اسے تیکھی نگاہ سے گھورا جو صوفے کے ہتھے پر چڑھا بیٹھا تھا۔

"کیونکہ لوگ ہمارے جوتے ہی دیکھتے ہیں۔" وہ اسے منہ چڑاتی وہاں سے کھسک لی، وہ بادلِ نخواستہ اندر چلی آئی۔

"تو کیا ہم چچا سے دشمنی مول لے کر محض کمرے میں بیٹھنے آئی ہیں۔" چند منٹ گزرنے کے بعد اکتاہٹ سے منہ بسورتے ہوئے وہ منمنائی، باہر فیشن زدہ لڑکیوں کی فوج دندنا رہی تھی۔ کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے اس نے اپنے حلیے پر اک نظر ڈالی۔

"دادی! آپ کھانے کی سپلائی کمرے میں کیوں کروا رہی ہیں؟" حسام کی حیرت زدہ آواز سن کے اس کے کان کھڑے ہوئے۔ وہ کھڑکی کو چھوڑ کے واپس اپنی نشست پر آئی۔

"اندر دادی کی خاص مہمان بیٹھی ہیں۔" گنگناتی مسکراتی آواز میں احترام تھا۔

"لیکن دادی باہر کیٹرنگ ارینجمنٹ میں کون سی کمی ہے۔" حسام کی جھنجلائی ہوئی آواز میں حیرت کی آمیزش تھی۔ درین کی اکتاہٹ اچانک رفو چکر ہوئی۔

"ارے بھئی، سارا زمانہ باہر ہی کھائے گا، بس میری چند مہمان ہیں یا پھر درین اور نورجن کے لیے اندر کھانا لگایا جا رہا ہے۔" دادی نے سہولت سے بات ختم کی، حسام کے حلق میں جیسے پتھر اٹکا۔

اندر بیٹھی اس لڑکی کے دل میں ٹھنڈی سی اتری۔

تب ہی دادی کے ساتھ ان کی ہم عمر خواتین اندر آئیں تو وہ بھی بیبا بچی بن کے بیٹھ گئی۔

باہر کھڑا حسام انگاروں پر لوٹ رہا تھا کہ "ایک تو محترمہ اتنی دیر سے آئیں، دوسرے اب پردہ دار بن کے کمرے میں چھپی بیٹھی ہیں۔"

☆☆☆

"اماں نے تو حد ہی کردی۔ ہم کہاں کی پردہ دار تھیں۔"

چچی نے شرمسار ہوتے ہوئے اس سے ہلکی سی سرگوشی کی۔ مگر درین کے چہرے پر مسکراہٹ شیرے کی طرح چپکی ہوئی تھی۔

"دادی! مجھے اندر آنے کی اجازت ہوگی یا پھر امی کی بتائی گئی جگہ سے آپ چابی ڈھونڈ سکتی ہیں۔" حسام کی برہم آواز سے کوئی من بھر خفگی ٹپک رہی تھی۔

"ہائے، آج تو دادی نے دل خوش کردیا۔" درین کے اندر پھلجھڑی سی چھوٹی۔

"ارے خود ہی آکر ڈھونڈو بھئی، مجھے تو تمہاری اماں کا رکھا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا۔ جانے وہ کس قرینے سے چھپاتی ہے۔"

اس بات پہ سب کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ جب اتنی عزت مل رہی ہے تو انداز بھی شاہانہ رکھنا ہوگا، وہ تیر کی طرح سیدھی ہوئی۔

اندر آنے والے کی پہلی نگاہ اس پر ہی پڑی تھی۔ نگاہ بھی مالک کے مزاج کی مانند تیز کٹاری سی تھی۔

اس نے تملا کے پہلو بدلا۔

"اس آوارہ نے ذرا جو پردے داری کا لحاظ رکھا ہو۔" "اگر اس کے دائیں بائیں کنیزیں کھڑی ہوتیں تو وہ فوری ڈولی اٹھوانے کا حکم دیتی۔"

"اونہہ...... گستاخ۔" اس نے غصے سے گردن کو جھٹکا دیا۔

"سائرہ! یہ میرا چھوٹا پوتا حسام ہے، ماشاءاللہ سے نیا نیا افسر ہوا ہے۔" دادی نے ایک خاتون سے اس کا تعارف کروایا اور وہ جواب تک نکموں کو ہی دیکھتی چلی آرہی تھی اس نے بے ساختہ گردن گھمائی۔

"اچھا تو افسر ایسے ہوتے ہیں۔" سفید کڑک شلوار قمیص میں سپاٹ چہرے کے ساتھ وہ اسے ہی گھور رہا تھا۔

"اچھا تو پردے دار چہرے ایسے ہوتے ہیں۔" شربتی دوپٹے کی پیلی کناری اس کی خوب صورت پیشانی پر یوں سج رہی تھی کہ اسے دیکھنے کے سوا...... اور کچھ بھی کرنا مشکل تھا، باقی تک ڈھونڈنا مشکل تھا۔

"ہنہہ...... دادی نے اچھا کیا جو ہمیں پردے میں بٹھا دیا۔" جانے کیوں درین نے نگاہ چرائی اور پیلی کناری کے حسد میں جلا اس بندے نے درین کی بے نیازیوں کا بدلہ کچھ یوں لیا کہ جب وہ گھر جا رہی تھی تو وہ اس سے ایسے ٹکرایا کہ ان مردانہ بوٹوں نے اس کی نازک سی سینڈل کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔

"ہائے۔" اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔ اس نے آگے چلتی چچی کے خیال سے آواز لبوں میں ہی دبالی۔ اسے پاؤں کی تکلیف سے زیادہ اپنی سینڈل کی تباہ حالی تکلیف دے رہی تھی، وہ تیزی سے بل کھا کے پلٹی جیسے اس سڑیل پر جھپٹنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

"تمہیں میرے پردے کا صدمہ کیوں مار رہا ہے؟" وہ دانت پیس کے دبی آواز میں غرائی۔

"مجھے تو اس جوتے کا صدمہ بھی فنا کر رہا تھا، جو خواہ مخواہ کا مالک مکان بنا ہوا تھا۔" وہ نہایت فراخ دلی سے مسکرایا۔ ماحول کی جگر جگر میں اس کی آنکھوں کا اپنا پن مقابل گھڑی کو دن بنائے خال کر رہا تھا۔

"تمہاری ایسی ہی حرکتیں میرے چچا میاں کا نام نکمے انسانوں کی لسٹ میں سرفہرست لکھتی ہیں۔" وہ کہہ کر واپسی کی راہ ہولی تھی اور جواباً حسام کے ہلکے سے قہقہے کی چمک گھر میں منور ہزاروں قمقموں کی جگمگ پر بھاری تھی۔

☆☆☆

ان دونوں خاندانوں کا قصہ کچھ یوں تھا کہ پشتوں سے دونوں قبیلے ایک ہی علاقے کے رہائشی تھے۔ انگریز حکومت کے دور سے قبل بھی جٹ خاندان کے زیادہ تر مرد نا صرف ملٹری میں تھے بلکہ وہاں اعلا عہدوں پر تعینات تھے۔ یوں انہیں انگریزوں سے نسل در نسل مراعات حاصل رہیں۔ ان کا شمار دولت مندوں میں ہوتا تھا۔ اس علاقے میں ان کے پائے کا کوئی دوسرا نہیں تھا جو راجپوتوں کی زمینوں کے ٹھیکے اٹھا سکتا ہو۔ سو جٹ قبیلہ ٹھیکے داری کا یہ عہدہ نسلوں سے نبھا رہا تھا۔

حسام کے دادا اور راجپوت خاتان کی دوستی بھی اسکول و کالج کے زمانے سے چلی آرہی تھی۔ آگے چل کر حسام کے دادا نے خاتان کی زمین ٹھیکے پر اٹھائی تو ان کا وقت زیادہ تر ایک ساتھ ہی گزرنے لگا۔ اسی عرصے میں انہوں نے اندرون حیدر آباد میں رہائشی پلاٹ ایک ساتھ خریدے اور دونوں کوٹھیاں آمنے سامنے ایک ساتھ تعمیر ہونے لگیں۔

خاتان وجیہہ بھی بہت تھا پھر اس کا اٹھنا بیٹھنا بھی اونچے طبقے میں تھا، اس کی دوستی دلی کے راجا سے بھی تھی جو شراب اور دوسری عیاشیوں کا رسیا تھا۔ ایسی ہی ایک محفل میں خاتان کا دل لکھنؤ کی ایک رقاصہ پر آ گیا پھر زندگی کا اچھا وقت اور دولت جائیداد ہاتھ سے سرکتی چلی گئی۔ اس نے کیسری نامی اس رقاصہ پر کیا کچھ نہیں لٹایا۔ جوڑ جمع کے بعد جب نوبت زمین بکنے تک آ گئی تو حسام کے دادا نے اسے اس اقدام سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن بے

کہ اس وقت تمام عیاش دوست خانان کے ساتھی تھے۔ انگریز امراء تو اس کی زمین کوڑیوں کے مول خریدنے لگے۔

جب حسام کے دادا نے اپنی جمع پونجی نکالی اور انگریز سرکار کی الاٹ شدہ زمین بھی فروخت کر کے خانان سے وہ رقبہ خرید لیا جس کی وہ ٹھیکے داری کرتا تھا۔ یوں خانان کے جوان ہوتے بیٹوں کے حصے میں انگریز زمین، ان کی آبائی حویلی اور حیدر آباد والی رقم ہی آئی تھی۔ باپ نے جو بویا وہی کاٹا تو بیٹے بھی اسی کے نقش قدم پر چل نکلے تھے۔ رئیس ایک گانے والی کی زلف کا اسیر ہو گیا اور جمال اس حد تک شراب پیتا تھا کہ ایک روز اپنی حویلی میں مردہ پایا گیا۔

پھر ماں کی وفات کے بعد رئیس نے اپنی آبائی حویلی بھی بیچ ڈالی تھی۔ قبل اس کے چند حاسد دوست رئیس کی سوچ کو غلط راہ دکھا چکے تھے کہ خاندان کی تباہ حالی میں زیادہ ہاتھ ٹھیکے داروں کا تھا کہ وہ ان کی زمین پر برسوں سے نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ اب رئیس ان کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ ادھر جب امان تک وہ خبریں پہنچتیں تو وہ بھی بھڑک اٹھتا۔ یوں ان دونوں خاندانوں کے تعلقات ایک حد تک آ کر سمٹ جاتے تھے۔ اب اندرون شہر میں رئیس کپڑے کی ایک دکان چلاتا تھا، دل کرتا تو کمائی کا کچھ حصہ نور کے ہاتھ پر رکھ دیتا ورنہ اس کی ذمہ داری وہ گانے والی عورت ہو رہی تھی۔

☆☆☆

"سنا ہے ان لٹیروں کا ایک اور سپوت افسر ہو چکا ہے، جس کی پہلی تعیناتی حیدر آباد میں ہی ہوئی ہے۔"

چچا نے سامنے رکھی چائے کو نہایت باریک بینی سے گھورا۔ بالکل ویسے ہی درین، پنوں کا چہرہ باریک بینی سے گھور رہی تھی جس کا چہرہ کسی درپیش سفر کا اعلان کر رہا تھا۔

"تمہیں ادھر ادھر کی خبریں دینے والے خوب مل جاتے ہیں کہ بدمعاشوں کے یہاں فلاں ہو رہا ہے، اچکوں کے ہاں ڈھمکاں ہو رہا ہے مگر کبھی تمہیں یہ خبر نہیں ملی کہ شریفوں کے یہاں کیا ہو رہا ہے اور ان شریفوں کا اکلوتا سپوت کیا کرتا پھر رہا ہے۔"

چچی کی دھیمی آواز میں بلا کا غضب تھا۔ وہ بچے کے موضوع پر رئیس سے بات کرتے ہوئے کھولتا پانی بن جاتیں۔ بیوی کی اس بات پر چچا کی پیشانی کے بل کچھ ڈھیلے ہوئے جبکہ اسی بات پر پنوں کی پیشانی شکن آلود ہوئی۔

اس نے ماں کو خفگی سے دیکھا، وہ ایک ایسے شخص کے ساتھ لاحاصل بحث کرتی تھیں جس کے پاس کسی مسئلے کا حل نہیں تھا۔ اس نے دوسری کبیدہ نظر باپ پر ڈالی جس کے سامنے چائے جوں کی توں دھری تھی پھر اس نے آٹے کی گولیاں بناتی درین کو قدرے حیرت سے دیکھا۔ کیا اسے خبر نہیں تھی کہ ابا کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ ہر بار وہ تعویز گھلی چائے کا ایک گھونٹ بھر کے اپنے چچا کو یقین دلاتی تھی کہ چائے تعویذ شدہ نہیں۔

"ہاں بھئی برخوردار! تمہاری ماں کو تم سے کیا شکایت ہے۔"

رئیس ہلکے سے کھنکارا۔ اس نے چائے کی کالی تہہ سے نظر ہٹا کر اپنے خوبرو بیٹے کو دیکھا جو درین کے سامنے بڑی تھالی سے آٹے کی گولی اٹھا کر جیسے ہی ہوا میں اچھالتا تو منڈیر پر بیٹھے کوے بے تابی سے جھپٹتے۔

"شکر کریں ابا! کہ کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دیا ورنہ آپ کی دکان پر بیٹھنے کے بجائے کسی رقاصہ کی محفل میں یا کسی گانے والی کے کوٹھے پر دھن رہا ہوتا۔"

وہ اکھڑ لہجے میں کہتے ہوئے خاصا کھل کے مسکرایا۔ درین کے ہاتھ اور سانس یک بارگی ساکن ہوئی اندر اک ادراک سا پھوٹا کہ اس کی یہ تیسری نسل بھی اپنے ہی نقصان کے درپے تھی تو اس خسارے کا حساب کتاب کس نے رکھنا تھا جو اس کے اور پنوں کے حصے میں آیا تھا۔

”میں تو بس محبت کر رہا ہوں۔“ وہ ہاتھ سے بال سنوارتا گنگنا رہا۔ اس کی اس اطلاع پر باقی تینوں نفوس نے ایک دوسرے کو گڑبڑا کے دیکھا، کیا محبت نفع بخش تجارت تھی یا پھر عزت کا علم تھا جسے پنّوں نے اٹھا رکھا تھا۔ ایک اور نسل باپ کی بے چارگی کا مزا لے رہی تھی کہ جو بویا ہے وہی کاٹو گے۔

”آج کل عہدے اور پیسے کے بنا خالی محبت کو کوئی بھی قبول نہیں کرتا۔“ اماں نے نہایت تپ کے بیٹے کو آئینہ دکھایا۔

”مگر ثریا کو میں ہر حال میں قبول ہوں۔“ وہ ہنسا اور حقیقت کا آئینہ چور چور ہوا، اب جواب کون دیتا، دونوں میاں بیوی کی نگاہیں ٹھنڈی چائے پہ جمیں۔ جسے پلانے والی اب بھی شوہر کی واپسی چاہتی تھی اور اسے پینے سے منکر اب بھی آزادی چاہتا تھا۔

☆☆☆

صبح سویرے گھر میں ماسی وچولن کو دیکھ کے شاہد کی طبیعت انتہائی مکدر ہوئی۔ اسے آج کل یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ماں اپنی بیٹی سے ہار جیت جیسا کوئی کھیل کھیل رہی تھی، وہ ثریا کو ایسی نگاہوں سے دیکھتی تھی کہ بالآخر جیت میری ہی ہوگی اور بطور ردعمل ثریا کا سرد رویہ شاہد کے لیے بے سکونی کا باعث تھا جیسے وہ اپنی ذات کے اندر ایک دفاعی سرنگ کھود رہی تھی۔ اسے اپنی ماں یا پھر مقدر سے ہارنے کی صورت وہاں چھپ جانا تھا یا پھر اس سرنگ کا راستہ کہیں اور جاتا تھا وہ بہت کچھ سمجھتے ہوئے بھی جیسے نہ سمجھنے پر مجبور تھا۔

”ارے آؤ میاں! ہم تمہارا انتظار کرتے کرتے دنیا جہان کے قصے نمٹا چکے۔“ وچولن ماسی اسے سامنے پا کے مسکرائی تو اس کی ماں نے بھی اس کی مسکراہٹ میں بھرپور ساتھ دیا۔ وہ ان دونوں خواتین پر سپاٹ نگاہ ڈالتا اک ذرا فاصلے پر بیٹھ گیا۔

”بھئی لڑکے والے تو ادھر سے خوش خبری کے منتظر ہیں کہ جھٹ ہاں اور پٹ بات پکی بس تمہاری رائے کی دیری ہے۔“ ماسی نے اس کے سنجیدہ چہرے پر اپنی تیز طرار نگاہیں گاڑیں۔

”فی الحال تو آپ انہیں کوئی بھی بہانہ گھڑ کے ٹال دیں کہ ہم خاندانی شادیوں میں مصروف ہیں یا پھر کوئی قریبی مرگ ہو گئی ہے۔“

شاہد نے کچھ یوں قطعی پن سے بات کی کہ ماسی چپ رہ گئی (ہائے خدانخواستہ) سکینہ نے ہول کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ لیکن فی الوقت خاموشی ہی مناسب تھی، وہ ماسی کے سامنے بیٹے سے الجھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

”کوشش کر کے دیکھتی ہوں، آگے جو اللہ کی رضا۔“ اس نے جوتے میں پاؤں گھسیڑتے ہوئے ایک ٹھنڈی آہ بھری، ساتھ ہی شاہد پہ گہری نظر ڈالی تو دل کو اچانک خیال سوجھا۔

”میں تو کہتی ہوں، شاہد میاں کو بھی بچی کے ساتھ ہی بھگتا دو، جب دو بچوں کا ایک ساتھ بیاہ کرو گی تو خرچا بھی بچ جائے گا۔ میری نظر میں ایک اچھے گھر کی سلجھی ہوئی لڑکی ہے، اگر کہو تو بات چلاؤں۔“ ماسی اسے قصائی کی طرح نگاہوں سے تولتے ہوئے سکینہ سے مخاطب ہوئی۔

”لڑکی کے گن اپنی جگہ، مگر دھیان رہے کہ کھاتے پیتے گھرانے سے ہو۔“ اس کی ماں بے صبرے پن سے بولی تو بیٹے نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا۔

”آپ صرف اسی نہج پر کیوں سوچتی ہیں اماں۔“ اس کے ماتھے پر ناگوار شکنیں ابھریں۔

”ارے میرے بھولے بیٹے! آج کل جہاں دولت ہوتی ہے خوبیاں بھی وہیں ہوتی ہیں اور میں اس معاشرے کی پروردہ ہوں، جہاں کھاتے پیتے گھرانے کی عورت ہی عزت کے لائق سمجھی جاتی ہے۔“

اس کی ماں عجیب باتیں کرتی تھی یا پھر وہ قدیم سوچ کا مالک تھا۔ وہ دو تین روز سے عجب مشکل میں گرفتار تھا، اسے محسوس ہوتا تھا کہ اس کے دل کی

حالت بدستور بدلتی چلی جا رہی ہے، وہ خود کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆☆☆

اس کے جانے سے قبل ہی پنوں چھت پر چلا گیا۔ چچی صحن میں لہسن کا اچار ڈال رہی تھیں۔ موسم بہار میں بھی ان کے گھر لہسن کی باس پھیلی ہوئی تھی۔

"ارے ہاں چچی! یاد آیا آپ کل اکبر کی دلہن دیکھنے گئی تھیں، آپ نے بتایا ہی نہیں کہ کیسی ہے۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا اشتیاق پا کر نور نے اسے چونک کر دیکھا جو آٹے کی تمام گولیاں ایک ساتھ اچھال کر اسی طرف آ رہی تھی۔

"اللہ جانے کیسی ہے جب میں گئی تو بنورانی سو رہی تھی۔" نور نے مختصر جواب دے کر سر جھکا لیا۔ دل میں شکوہ اپنی جگہ موجود تھا، کیا تھا اگر درین چائے پکڑ لیتی اور بجیس وہ چائے پی لیتا۔ ممکن تھا آج کا تعویذ با اثر ہوتا۔

نور نے ٹھنڈی آہ بھری تو سانسوں میں بہت کچھ چبھا، اس گھر کی فضا میں زیادہ تر مرچ مسالوں کی خوشبو ہی مہکتی۔

دوسری طرف چچی کے سامنے سپاٹ چہرے کے ساتھ اس نے بھی کوئی گہرا شکوہ اندر دبا رکھا تھا پھر ان کے انداز میں آہ بھرتے ہوئے وہی تلخ ترش باس اندر اتاری جو سانسوں میں چبھتی تھی۔ ایک منٹ بھی نہیں گزرا ہوگا کہ ان دونوں کے شکوے ایک بھاری دھمک سے بکھرے۔ پنوں جیسے کسی سے مقابلے بازی میں سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

"ارے رکو لڑکے! بات تو سنتے جاؤ۔" چچی نے کلونجی اور سونف سے لتھڑی انگلیاں کشادہ برتن میں جھاڑتے ہوئے بیٹے کو آواز دی جو بہرے پن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"لو دیکھو تو ذرا، ایسے بھاگ رہا ہے جیسے گلی میں امام صاحب نے بخشش کی نماز کی نیت باندھ لی ہو۔" چچی نے بے چینی سے ہاتھ مسلے۔ پنوں کو جیسے اسی پل بشارت نصیب ہوئی، وہ اپنی لگام کھینچ کے ٹھہرا۔

"جس دن کہیں محبت کی نماز کی نیت باندھی جائے گی تو آپ کا بیٹا سب سے اگلی صف میں کھڑا ہوگا۔" اس کا لہجہ مہکا، وہ تروتازگی سے مسکرایا۔ تو گھر کی فضا میں یک لخت محبت کی خوشبو پھوٹی۔

"توبہ توبہ۔" چچی نے بلند آواز میں دہائی دی۔ وہ کان بھی چھوتیں مگر انگلیاں کی مرچوں سے سرخ ہو رہی تھیں۔

درین کسی خیال کے سوچتے ہی جیسے اچھلتی ہوئی اس تک پہنچی۔

"رات کو جلدی آ جانا۔" اس نے دروازے پر ہاتھ رکھ کے دم لیتے ہوئے کہا۔ اس نے آنکھیں سکیڑ کے ابرو اچکائے

"کیوں آج رات گھر میں کون سے خزانے بانٹے جائیں گے۔"

وہ ترنگ کے بولا تو درین کے چہرے نے ایک ساتھ کئی رنگ بدلے، پھر اس نے سیکنڈز میں خود کو کمپوز کیا۔ کیا وہ اسے بتاتی کہ وہ آج کی تاریخ میں اس دنیا میں آئی تھی۔ وہ ہر سال کی طرح آج اس یاد دہانی کے موڈ میں نہیں تھی، وہ اپنے خشک ہونٹ تر کرتے ہوئے مسکرائی۔

"آج پھر چھت پر خاتان کی محفل لگے گی اور کیسری کا رقص ہوگا۔" اس کا لہجہ شرارتی ہوا۔

وہ اسے ایسی باتوں سے اکثر چڑاتی تھی اور وہ تپ جاتا تھا۔ پنوں نے چوکھٹ پار کرنے سے پیشتر اسے غضب ناکی سے گھورا، جس کی محرم راز ایک رقاصہ تھی۔

"یہ جو تم تعویذ گھلی چائے پیتی ہو نا تو اس کا اثر ابا کے بجائے تم پر ہو رہا ہے۔"

وہ اسے سختی سے ڈانٹتا گلی میں نکل گیا، وہ وہیں کھڑی رہ گئی اس کے خاندان میں کوئی بھی تعویذ شدہ چائے پینے پر راضی نہیں تھا، ہر کوئی رشتوں کا بوجھ اتار کر اس کی ماں سمیت آزاد ہو گیا تھا۔

☆☆☆

بنوں کے گھر سے جاتے ہی محبت کی خوشبو بھی وہاں سے کوچ کر گئی تھی۔ اس ڈھلتی دوپہر میں اچار کی مہک نے پھر سے سر اٹھا لیا تھا۔ برآمدے کی درمیانی سیڑھی پر بیٹھی اس لڑکی نے پورے گھر پر نگاہ دوڑائی، جہاں دو تین نیم کے درختوں کے علاوہ ایک خوشبودار پھولوں کا گملا تک نہیں تھا۔

"عصر کی نماز وقت نکال کے پڑھنے والوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔" وہ چچی کی آواز پہ چونکی جو اسے نصیحت کرنے کے ساتھ ہی نماز کی نیت باندھ چکی تھیں۔

"زندگی میں نقصان کے سوا کیا ہے۔" اس نے نم آنکھوں کے ساتھ سر جھٹکا، وہ چار سال کی تھی جب اس کی ماں اسے چھوڑ کے چلی گئی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا نقصان تھا۔ ماں سے بچھڑنے کے چند سال بعد باپ بھی دنیا سے اٹھ گیا۔ یہ دوسرا نقصان تھا بعد میں بارہ سالہ دیرین دادی کی زندگی کے آخری دنوں میں اس سے ساتھ نبھانے کا عہد مانگتی رہی تھی لیکن وہ بھی اپنے مقررہ وقت پہ چلی گئی، یہ اس کی زندگی کا آخری خسارہ تھا، اسے اب کسی فائدے کا انتظار نہیں تھا، وہ اپنے ہر نقصان کو خوب رو چکی تھی۔

"اب تو جب بھی ان ماں بیٹی کی بات ہوتی تو موبائل اسکرین کے آر پار وہ دونوں بس ایک دوسرے کو دیکھ کے مسکراتی تھیں۔ ماں اسے ماہانہ خرچ بھیجتی تھی، اسے ماں کی ذات سے پہنچنے والا یہ فائدہ احسان محسوس ہوتا تھا۔ ماں کا دوسرا احسان کہ وہ اس کی پیدائش کا دن یاد رکھتی تھی، اس نے گیلی ہوئی آنکھوں کو سختی سے جھپکا، وہ دکھ درد جیسے احساسات کچھ وقت سے زیادہ کہاں سنبھال پاتی تھی۔ سو وہ تمام تلخ حقیقتوں کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے اپنے وجود پر طاری قنوطیت بھگانے میں کامیاب ہو گئی۔

وہ اٹھنے کو تھی کہ ایک سنہرا ہاتھ اس کے کندھے پر ٹکا۔ اس نے چہرہ موڑ کے دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی، وہ ناک کی سیدھ میں دیکھتے ہوئے بھی جانتی تھی کہ پاس کون بیٹھی ہے۔

"تم ایک ناشکری لڑکی ہو۔" یہ سرگوشی تھی۔ "تم اس شخص کو کیوں بھول جاتی ہو جو بن پوچھے، بنا بتائے آج کی تاریخ یاد رکھتا ہے۔"

کیسری کے اس جملے نے اس کے چہرے پر وہ سنگھار کیا، جو ایک سکھی، سجنے سنورنے کی شوقین دوسری سکھی کا انتہائی مدھم روشنی میں کر رہی ہو گی۔ اس نے ترچھے رخ ہو کے کیسری کا چہرہ یوں دیکھا جیسے ایک روشن کمرے میں آئینہ دیکھ لیا ہو۔

"تو کیا میں اسے یاد رکھا کروں؟" وہ اپنی اتر آنکھیں پٹپٹا کے بولی۔ پھر یوں منہ بگاڑ کے کھلکھلائی جیسے روشنی میں آئینہ دیکھتے ہوئے چہرے پر بکھرا بے ترتیب سنگھار اسے شرارتی کر رہا ہو۔

"اف...... اس رخسار پر اس قدر غازہ۔۔۔ دیکھو تو میری ایک آنکھ میں کاجل بھی کم ہے۔ ماتھے کی بندیا تو بالکل ٹیڑھی، وہ اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے سرکاتی ایک دم کھڑی ہوئی۔

"کیا وہ لڑکا خاتان ہے کہ میں اس کی محبت میں ہر ریت رسم توڑ کے اپنے ماتھے سے تمک اڑا دوں۔" اس نے کیسری کی خالی پیشانی پر نگاہ ڈال کے اپنے کندھے اکڑائے۔ "ہاہ، وہ آوارہ۔۔۔" وہ اس کی بات چٹکیوں میں اڑاتی سیدھے رخ دی، ابھی اسے خود سے خفا چچی کو بھی منانا تھا جو اس کی مرغوب ڈش کڑھی بنانے کی تیاریوں میں مشغول تھیں۔

☆☆☆

"گزشتہ تین گھنٹوں سے اس ایک مہمان کی آمد پر آپ نے گھر کا سارا انتظام تلپٹ کر رکھا ہے۔ آپ نے چائے کے ایک کپ کے ساتھ کوئی ایک آدھ ہی چکھی ہوگی۔"

وہ اپنی ماں سے خاصا تپ کے مخاطب ہوا۔ ماں نے گھنٹہ بھر پہلے ملازمہ کو اپنے کپڑے استری کرنے کو دیے تھے جو ابھی تک آئرن اسٹینڈ پر جوں کے توں پڑے تھے۔

"وہ مہمان کوئی عام عورت نہیں تھی بلکہ

صاحب کی بیوی تھی پھر گھر کا نظام اور بجٹ کاہے کو چوپٹ نہ ہوتا۔" کڑے تیوروں کے ساتھ یہ تلملاتا جواب اس کی ماں کے بجائے دادی کی جانب سے آیا تھا۔

"بجٹ کی بات تو رہنے ہی دیں اماں! کہ اللہ نے ہمیں بہت نواز رکھا ہے۔" بہو کے مزاج و انداز نے بھی ہو بہو ساس کی نقل اتاری تھی۔

"ہاں بھئی۔ اللہ نے تم لوگوں کو ان کے لیے نواز رکھا ہے، جو لاکھوں کماتے ہیں اور جو صرف روپے کماتے ہیں تو ان کی چائے کا ایک کپ بھی ان نوازے ہوئے لوگوں پر بھاری ہوتا ہے۔" دادی کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

"اماں! آپ مجھ سے بحث نہ ہی کریں تو بہتر ہوگا۔ آج جس طرح آپ نے مجھے میری مہمان کے سامنے شرمندہ کرنے کی کوشش کی ہے، وہ بات بھولنے کی نہیں۔"

لاؤنج کے وسط میں کھڑے حسام نے ٹھٹک کے دیکھا، ماں کے لب و لہجے میں بدلحاظی سے زیادہ ناگواری شامل تھی۔

"لے لو، یہ بھی خوب رہی۔ میں نے کہاں کوشش کی۔ یہ وقت تو صرف اللہ انسان پر لے آتا ہے کہ دیکھو، میرا کوئی بھی بندہ فالتو نہیں۔ ہر انسان سے کام پڑتے دیر نہیں لگتی۔ اب یہ بات الگ کہ تم پر یہ وقت بڑی جلدی آ گیا بہو۔" وہ بہو کی حالت کا لطف لیتے ہوئے چہک کے مسکرائیں۔

"آخر آپ دونوں ایک دوسرے پر کس دقوعہ کا الزام دھر رہی ہیں۔"

حسام نے دونوں پر باری باری نگاہ ڈالی۔ بہو کے چہرے پر غصہ ہویدا تھا اور ساس کی مسکراہٹ چبھن کی جس بجھا رہی تھی۔

ان دونوں ساس بہو کی شاید ہی کسی بات پر بنتی تھی، اسی وجہ سے دادی سال کے آٹھ مہینے کراچی میں بڑے پوتے اکبر کے پاس گزارتی تھیں، جو وہاں جاب کرتا تھا۔

"ارے میاں! کہاں کی جنگ، بات چھوٹی ہے کہ کل نور بٹیا اکبر کی دلہن سے ملنے آئی تھی تو تمہاری ماں نے سوتی بہو کو جگانا مناسب نہیں سمجھا اور جب کمشنر صاحب کی بیوی مجھ سے ملنا چاہتی تھی تو میں نے بھی صاف جواب دیا کہ یہ وقت میرے سونے کا ہے۔ اب میری بہو میری اس حرکت پر شرمندگی کا شکار ہے، جیسے گزشتہ شام میں اس کیفیت کا شکار تھی۔"

وہ یہ قصہ پوتے کے گوش گزار کرنے کے بعد ایک بار پھر مسکرائیں، تو ساس کے اس انداز پر بہو بھی جل بھن گئی تھی۔

"آپ کسی بھی فیور میں پڑے بنا حقیقت سمجھنے کی کوشش کریں، اب رئیس کی بیوی اور کمشنر کی بیوی کا کوئی تقابل بنتا ہے بھلا؟"

بہو نے اپنی تنی ہوئی گردن سے لپٹی سونے کی موٹی زنجیر کو انگشت شہادت سے چھو کے کروفر سے سر جھٹکا تو دادی کے چہرے کی مسکراہٹ اور پوتے کے چہرے کا رنگ ایک ساتھ پھیکے پڑے۔ بیٹے نے ماں کو گہرے تاسف میں گھور کے دیکھا۔ تقابل تو واقعی کسی طور نہیں بنتا تھا کہ نور چچی سے ان کا گہرا اور اٹوٹ تعلق تھا وہاں چند لمحوں کو ایک بھٹکتی ہوئی خاموشی ٹھہری گئی۔

"کبھی انسانیت بھی بڑی چیز ہوا کرتی تھی بہو!" دادی کی دھیمی آواز اس دور کے اس زوال میں ڈوب گئی۔

"اب وہ وقت نہیں رہا جب انسانوں اور خاندانوں کی عزت ہوتی تھی۔ اب تو نام اور عہدوں کی عزت ہوتی ہے اماں اور سچ کہوں تو آج کمشنر کی بیوی بھی میری بہو سے ملنے نہیں آئی تھی بلکہ ایک افسر کی فیملی سے ملنے آئی تھی۔ بھئی وہ تین جوان بیٹیوں کی ماں جو ٹھہری۔" وہ ہنسی اور اپنے قابل بیٹے کو ایک کھلے تفاخر کے ساتھ دیکھا جو جھکنے کا سہارا چھوڑ کے ایک دم سیدھا ہوا تھا۔ اس کی ماں کی ہنسی ذومعنی تھی۔

"اس نے تو باتوں باتوں میں کئی بار حسام کا

تو پوچھا بھی، لیکن فی الحال میں نے ٹال مٹول سے کام لینا مناسب سمجھا کہ بعد میں ذرا مل بیٹھ کے اس بات کو ڈسکس کرتے ہیں اور......"

"آپ نے بہت اچھا کیا امی، کیونکہ نہ ہی مل بیٹھ کے اور نہ ہی کھڑے ہو کر اس بات کو کبھی بھی ڈسکس نہیں کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔"

وہ ماں کی بات کاٹ کے خاصی عجلت اور روانی سے بولا تو آواز میں تختی کا تاثر نمایاں جو اس کی ماں کے لیے خاصا حیران کن تھا، وہ اسے بغور دیکھنے پر مجبور ہوئی۔

"تو کیا خدانخواستہ شادی نہیں کرو گے؟" وہ چند لمحے اسے یوں ہی گھورتے رہنے کے بعد عجب سے انداز میں بولی۔ جبکہ دادی گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے، آنکھیں موندے سکون سے لیٹی تھیں۔

"کروں گا ان شاء اللہ اور جلد ہی ارادہ ہے۔"

وہ ماں کی آنکھوں میں جھانک کے بولا تو مزاج میں سنجیدگی ہنوز برقرار تھی مگر اس کی ماں کا سپاٹ تاثر لمحوں میں ٹوٹا اور وہ اچھا خاصا کھلکھلائی۔

"ارے واہ، جب ارادہ اتنا نیک ہے تو پھر اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہمیں لڑکی کی تلاش کی مہم جلد ہی شروع کرنی ہوگی۔" وہ ایک سرشاری سے مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

"آپ بس شادی کی تیاریاں کریں کیونکہ تلاش کا مشکل کام میں کر چکا ہوں۔"

وہ کچھ یوں مسکرایا کہ اس کا ہر تاثر دیکھنے والوں کو اکسا رہا تھا کہ گر سوال کیا جائے تو بندہ جواب کے لیے حاضر ہے لیکن اس کی دادی اور ماں تو بے یقینی کی حالت میں گنگ سی ہو کر زینہ طے کرتے حسام کی پشت کو ٹر ٹر تکے جا رہی تھیں۔

انہوں نے اتنا کیا اسے نظر آنے تک گھورا، پھر دادی اپنے کمرے میں چلی گئیں اور بہو دوپٹہ درست کرتے ہوئے خارجی دروازے کی طرف بڑھی۔

"میں ذرا آپا کی طرف جا رہی ہوں۔"

اس نے یہ اطلاع یقیناً ملازمہ کو دی تھی، وہ بیٹے کا مزاج بخوبی جانتی تھی کہ اس نے ... نہیں کی تھی۔ اب اس خبر کو ہضم ہونا بھی ... قیافوں کی جنگ اکیلے نہیں لڑنا چاہتی تھی ... سے اس کی بہن دو گلیوں کے فاصلے پر ہی ... خوش قسمتی کہ وہ خالہ سکینہ کی پڑوسن تھی اور ... سے اچھی بات کہ خالہ سکینہ اور حسام کی ماں ... بھی مشترکہ تھے، سو آپا کے گھر پر بزم ... تھی۔

☆☆☆

ان کی گلی میں کھڑی چچا میاں کی پھٹیچر بائیک ایک ایسی ڈراؤنی علامت تھی کہ حسام کا باپ بھی ... سے دبے پاؤں ہی گزرتا ہوگا پھر اس ڈھیٹ کی ... مجال تھی کہ وہ ان کے چوپٹ دروازے سے بھی ... ذرا سا جھانک لیتا۔

وہ اس کی مایوس کن تلملاہٹ کا اندازہ ... ہوئی ان چتوں کی طرح شریر ہو رہی تھی جو بہار کی ہوا ... اپنی گھن گھن سے چڑاتے تھے، اس نے امان ولا کی ڈور بیل پر انگلی رکھی اور پھر جیسے ہٹانا بھول گئی۔ اسے واپسی کی جلدی تھی، شکر تھا کہ منٹ ڈیڑھ بعد گڈی کا تھکا تھکا سا چہرہ گیٹ سے نمودار ہوا۔ وہ ہمیشہ کی طرح درین کو سامنے پا کر خوش ہوئی اور حسب عادت اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ وہ بھی ہمیشہ کی طرح مسکرا کے ٹال گئی۔

"یہ ڈونگا پکڑو اور دادی کو میرا سلام کہنا۔"

"گھر میں دادی کے سوا اور کوئی بھی نہیں، دلہن باجی اور اکبر بھائی بھی سیر سپاٹے کو نکلے ہوئے ہیں۔" گڈی نے اسے سب کی غیر موجودگی کی تفصیل بتائی تو وہ مطمئن سی ہو کر اس کی معیت میں ہولی۔ لیکن وہ دادی کے بے حد اصرار کے باوجود بھی دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں رکی تھی۔

دوسری طرف حسام اپنے بوجھل مزاج کے ساتھ کافی آوارہ گردی کے بعد جب گھر آیا تو وہ بے خبر تھا کہ اس وقت اس کی قسمت کا ستارہ عروج پر تھا۔ اس نے گھر میں آ کر گیٹ کا پٹ کھٹاک سے بند کیا

یوں ہی پہلا تو بے یقین ہوا پھر جب یقین آ گیا تو
بولا۔ ہکا بکا پہلے اس باہر اور وقت کو چار چاند لگ گئے

"ہائے، واہ نصیب ان کے...... کہ ہم ان کے
بولا۔" وہ گیٹ سے ٹیک لگاتے ہوئے لہجے میں
شرارت سموتے بولا۔ اس کے سامنے کھڑی لڑکی نے
آنکھیں پھیلائیں۔

"اللہ رے، خوش فہمیاں ان کی۔" اس نے
اچھا خاصا منہ بگاڑا اور اسے دروازہ سے ہٹنے کا اشارہ
کیا۔

"یار! تم نے فون پر بتا دیا تھا کہ میرا ملنے کا
پروگرام ہے تو میں گھر سے باہر بھلا کیوں جاتا۔" وہ
ابھی بھی تم کے گھرا...... اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھا
جبکہ اس کے ہاتھ میں موجود پیالہ اس بات کی علامت
تھا کہ وہ دادی کے حضور کچھ پیش کرنے آئی تھی۔

"ہنہہ...... ملنے کا پروگرام۔" اس نے دائیں
بائیں سر جھٹکتے ہوئے اسے یوں گھورا کہ "منہ دھو کے
رکھو۔"

"میں دادی کو کڑھی دینے آئی تھی۔" اس نے
کھانا برتن ثبوت کے طور پر سامنے لہرایا۔ تو وہ بے
ساختہ ہی اس کے قریب آیا۔

"تمہارے گھر سے جب بھی کچھ آتا ہے
صرف دادی کے لیے آتا ہے، چلو ٹھیک ہے مگر ایک
آدھ بار کہ خود بھی فرصت نکال کے میرے لیے آ جایا
کرو۔" اس نے نہایت دھیمی آواز میں شکوہ کیا تھا یا
خواہش ظاہر کی تھی لیکن اس شخص کے لبوں پر بکھری
مسکراہٹ موسم بہار کی ہر گھڑی کو مات دے چکی تھی۔

درین کا چہرہ تپ سا گیا۔ حسام نے آج سے
قبل کبھی اس رنگ میں بات نہیں کی تھی اگرچہ ان
دونوں کی نوک جھونک معمول کا حصہ تھی۔ وہ چند قدم
دور ہو گئی۔

"مجھ سے فاصلہ رکھ کے بات کیا کرو۔" وہ
پیچھے ہٹتے ہوئے گویا ہوئی۔

"یعنی کہ غیروں کی طرح؟" اس نے ابرو
چڑھا کے درین کو گھورا۔

"ہاں تو، اپنے کب ہو۔" وہ ایک ذرا نظر
چرانے اپنی جگہ سے سرکی۔ وہ اس کے یوں نگاہ
چرانے پر اندر کہیں بہت گہرائی تک مسکرایا تھا۔

"سنو درین!" وہ اس بے چین سی پکار پر بے
ساختہ پلٹی، اس پکار میں ایک کانچ کی سی زنجیر ہوتی تھی
جو اسے ہمیشہ باندھ لیتی تھی۔ "یہ تمہارا گفٹ۔" اس
نے پینٹ کی پاکٹ سے کچھ برآمد کیا جب اپنی مٹھی
کھولی تو وہ دو ٹافیاں تھیں۔

اس کی آنکھوں کے فرش نم ہوئے، اس کی ماں
کے علاوہ بھی کوئی تھا جو اس تاریخ کو یاد کی ہر گرہ سے
باندھ کے رکھتا تھا۔

"اس فراخدلی کا شکریہ۔" وہ جتا کے مسکرائی۔

"دراصل اب تم بڑی ہو گئی ہو نا، اب مجھ سے
نگاہ چرا کے بات کرتی ہو۔" جانے وہ اسے چڑا رہا تھا
یا پھر کون سی ترنگ میں تھا۔

درین جب اس کی کھلی مٹھی سے ٹافیاں اٹھانے
لگی تو حسام نے مٹھی بند کر لی۔

"کیا مسئلہ ہے تمہیں؟" وہ ان بولتی آنکھوں
سے نگاہ ہٹا کے جھنجلائی۔ نہ ہی وہ لڑکی پتھر تھی اور نہ ہی
مقابل کی نگاہ بے اثر تھی، مگر ان کے درمیان چند
حقیقتیں پتھر سے بھی زیادہ ٹھوس تھیں جنہیں صرف وہ
سمجھتی تھی۔

حسام نے اس کی تلملاہٹ محسوس کرتے ہی
اپنی کیفیات کو سمیٹا۔ اپنے روٹین کے موڈ میں آیا۔

"مسئلہ یہ ہے کہ اپنے چچا حضور سے کہنا کہ
آئندہ اپنی چڑیل ٹائپ بائیک کو گھر میں کھڑا کیا
کریں، باہر خواہ مخواہ ہی گلی والوں کے دم خم نکالتی رہتی
ہے۔" وہ آنکھوں میں مسکراہٹ دبائے خاصا جل
کے بولا۔

"ہائے۔" وہ اس بات پر خاصا اترائی پھر اسے
ستم گر انداز میں دیکھا۔

"دم کی تو خبر نہیں مگر وہ چڑیل تمہارے خم ضرور
نکال دیتی ہے۔" اس لڑکی کا نوعمر قہقہہ خاصا دور تک

بھرا۔ وہ بھی سر کھجاتے ہوئے ایک دم ہنس دیا۔

"اچھا چلو میرے ساتھ۔ ذرا آگے شاپنگ مال تک چہل قدمی کرتے ہیں۔" وہ ملگجی سی روشنی میں بھی دیکھ سکتا تھا کہ اس لڑکی کے جھکے چہرے پر ایک تحیر سا چھا چکا تھا۔

"ذرا..... آگے۔" وہ جملے کو لمبا کھینچ کے بولی کہ وہ شاپنگ مال یہاں سے دو تین کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔

"سوری، میرا ہاضمہ خراب نہیں ہے۔" وہ آگے بڑھی اور دروازہ کھولا۔ "اور اگر ہاضمہ خراب بھی ہوتا تو میرے پاس حکیم جی کا چورن ہے۔" وہ مسکرائی۔

وہ مسکرائی، حسام کے انداز میں التجا سی در آئی۔

"اچھا مال تک نہ سہی، اگلے چوک تک چلتے ہیں۔" وہ خواہش کی حدود سمیٹتا جیسے منت پر اتر آیا۔

وہ محض چند گھڑیوں کے ساتھ کے لیے فقیر ہو رہا تھا۔

"دنیا کو نابینا تصور کرلوں۔" اس نے ذرا سا تپ کے اسے بری سے گھورا۔

"دنیا کو اعتراض ہوا تو ہم کہہ دیں گے، دادی کی لونگ گم ہوگئی ہے۔" وہ ایک مناسب حل ڈھونڈ کے دلکشی سے مسکرایا۔ وہ راہ میں حائل اس بندے کو دیکھ کے رہ گئی۔

"ہائے رے معصومیت، پہلی بات یہ کہ مجھے کوئی لونگ نہیں ڈھونڈنا اور دوسری بات ابھی ہم راجپوت عورتوں پر اتنا برا وقت نہیں آیا کہ ہم آوارہ پھکیے داروں کے ہمراہ سڑکوں کا طول و عرض ناپتی پھریں۔"

وہ نہایت دھیان سے دیکھتے ہوئے بے نیازی سے مسکرائی تو اس کی بات سن کے حسام کے چہرے کا فقیرانہ تاثر بھک سے اڑا۔

وہ اسے خدا حافظ کہے بنا دروازہ عبور کر گئی تو اپنے گھر میں کھڑے اس نئے نویلے افسر کا دماغ اس وقت خاصا خراب ہو رہا تھا اور اس کے پاس کسی حکیم جی کا چورن بھی نہیں تھا سو چند تپی تپی آہوں کو حلق میں اتارنے کے سوا وہ کیا کر سکتا تھا۔

☆☆☆

وہ آج تیسرے چوتھے دن کون سا ونی مدرسے سے چھٹی ملنے پر گھر آیا تھا، جو ماں اس کے وارے نیارے جاتی سو ماں کا خراب موڈ اس کے لیے قابل برداشت تھا جو صحن کے ایک کونے میں سلائی مشین رکھے جانے کیا سی رہی تھی۔ اس وقت ماں کی مزاج پرسی کرنا اپنی شامت بلانے کے مترادف تھا، اس نے برآمدے میں کھڑی درین کو جیسے سرگوشی نما سلام کیا اور سیدھا اپنے کمرے میں گیا۔

آج اس کے ہونٹوں پر انہونی خاموشی کی مہریں پا کر بھی درین کا دل کسی — کڑوے خدشات کے تحت نہیں دھڑکا، مگر نور کے لیے بیٹے کی یہ خاموشی حوصلہ بخش نہیں تھی۔ درین نے اسے کمرے کا دروازہ بھیڑنے تک اطمینان بخش نظر سے دیکھا کہ وہ رات بھر کے غور و فکر کے بعد اب ایک فیصلے پر پہنچ چکی تھی۔ وہ سہل قدموں کے ساتھ کچن کے رخ چل دی لیکن وہ جب چائے بنا کر باہر آئی تو اس کے سکون کی عمارت دھڑام سے گری۔

صحن کی اکلوتی کرسی پر مگن انداز میں بیٹھا پنوں بہت اونچائی پر اڑتے پنچھی دیکھ رہا تھا یا شاید گن رہا تھا یا شاید اسے پرندوں کی قطار میں اپنے اونٹوں کا گمان ہو رہا تھا مگر اس سارے منظر میں درین کا سکون تباہ کرنے والی پنوں کے سر پر بندھی وہ بھاری پگ تھی جو وہ گاؤں جاتے وقت باندھتا تھا، گویا وہ سفر کی تیاریاں کر چکا تھا۔ اس نے اپنی تر ہوتی پیشانی بائیں ہاتھ سے صاف کی اور خود کو سنبھالتی مضبوط قدموں کے ساتھ اس کی طرف آئی۔

"رات سے میرا موڈ بہت اچھا ہے۔" اس نے پنوں کے سامنے چائے رکھتے ہوئے اس پر ایک گہری نظر ڈالی۔ درین نے میز پر دھرے کانچ کے سفید پیالے سے انار کے دانے اٹھائے، پنوں نے اس کے ہاتھ پر چپت مارا۔

"واپس رکھو۔ کیا خبر یہی دو دانے جنتی ہوں۔"

☆☆☆

آج تیسرے چوتھے دن کو ان ...
...ے چھٹی ملنے پر گھر آیا تھا، جو ماں ...
...رے جاتی سو ماں کا خراب موڈ ...
... برداشت تھا جو صحن کے ایک کونے ...
...ن رکھے جانے کیا سی رہی تھی۔ اس وقت ...
...آج پری کرتا اپنی شامت بلانے ...
...، اس نے برآمدے میں کھڑی درین ...
...نما سلام کیا اور سیدھا اپنے کمرے ...

...س کے ہونٹوں پر انہونی خاموشی کی مہر ...
...ن کا دل کسی ۔ گہرے خدشات کے تحت ...
... مگر نور کے لیے بیٹے کی یہ خاموشی حوصلہ ...
...۔ درین نے اسے کمرے کا دروازہ ...
...تان بخشش نظر سے دیکھا کہ وہ رات ...
...کے بعد اب ایک فیصلے پر پہنچ چکی تھی۔ ...
... کے ساتھ کچن کے رخ چل دی لیکن ...
...تا کر باہر آئی تو اس کے سکون کی عمارت ...
...ی۔

... اکلوتی کرسی پر مگن انداز میں بیٹھا پنوں ...
...پر اڑتے پنچھی دیکھ رہا تھا یا شاید ...
...ے پرندوں کی قطار میں اپنے ارمانوں کی ...
... مگر اس سارے منظر میں درین کا سکون ...
... پنوں کے سر پر بندھی وہ بھاری پگ ...
...جاتے وقت باندھتا تھا، گویا وہ سفر ...
...تھا۔ اس نے اپنی تر ہوتی پیشانی ...
...کی اور خود کو سنبھالتی مضبوط قدموں ...
... طرف آئی۔

...ے میرا موڈ بہت اچھا ہے۔" اس نے ...
... چائے رکھتے ہوئے اس پر ایک گہری ...
...رین نے میز پر دھرے کانچ کے ...
...ار کے دانے اٹھائے، پنوں نے ان ...
...مارا۔
...رکھو۔ کیا خبر یہی دو دانے جنتی ہوں۔"

...سرکا لیا۔

"...تو کیا تم نہیں چاہتے کہ میں بھی جنت میں ...؟" ...کے لہجے میں مصنوعی خفگی جھلکی، وہ پیچھے ...بیٹھ گئی۔

"...نیک ہوتے ہیں نیک اعمال، وہ بھی جنت ...لے جاتے ہیں۔" پنوں کا لہجہ ناصحانہ ہوا۔

"چلو ٹھیک ہے، تم جنت میں بھی بنا منت کے ...چاہتے ہو۔ تمہاری مرضی لیکن میرے اچھے موڈ کی ...پوچھ لو۔"

...وہ دانستہ گھر کے حال حالات سے لاپروائی برتتا ...تاکہ اس کے روز و شب سے بھی ویسی ہی لاپروائی ...برتی جائے۔

"سوری، میری جیب خالی ہے ورنہ تمہارے ...اچھے موڈ کی خوشی میں لڈو ضرور بانٹتا۔" وہ اپنی کرسی کا ...پایہ درین کی کرسی کے قریب ہوا اور چھوٹے سے پتے کو ...درین کو دیکھ کے مسکرایا۔

"خالی جیب کے ساتھ اکیلے سفر کرنا بھی حماقت ...ہے اور ہم سفر کے ساتھ ایسا سفر بربادی ہوتا ...ہے۔" پنوں اس کی آواز اتنی مدھم تھی کہ نور بیچی جوان ...کی طرف متوجہ تھیں، سننے سے قاصر رہیں۔

پنوں کے لب یک بارگی بھنچ گئے۔ وہ سیدھا ہوا ...ایک کا ڈھیلا بل ایک جھٹکے سے کھلا۔

"ایک ماں، ایک گھر اور تین بھائی۔ گڑیا کے ...بار جنت کے یہ پانچ دانے رہنے دو۔ وہ اپنے نیک ...اعمال اور اللہ کی رحمت سے جنت کی حق دار ٹھہرائی ...جائے گی مگر ان پانچ دانوں کے چھن جانے سے یہ ...دنیا اس کے لیے دوزخ بن جائے گی۔ کیا تم چاہتے ...ہو کہ وہ درین بن جائے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اس کے بطن ...سے ایک بار پھر پنوں اور درین کا جنم ہو، جنہیں ...سوسائٹی عزت داروں کی محفل میں چوکھٹ کے نیچے ...دہلیز سے باہر جگہ ملے۔"

اس کی آنکھوں میں ایک آتشی لاوا جل رہا تھا ...مگر اس کا دھیما لہجہ جاڑوں میں جمی برف جیسا تھا۔ ...خاکستر چہرے کا رنگ دیکھنے والا تھا۔ دوسری طرف

نور کی دلی کھد بد عروج پر تھی۔ آخر یہ لڑکی کیا راز و نیاز کر رہی ہے۔

"میں نے رات کو فیصلہ کر لیا تھا کہ آج خالہ سکینہ سے بات کرنے میں جاؤں گی۔" اس نے اپنی آواز تر و تازہ رکھنے کی کافی کوشش کی۔ مگر پھر بھی اس بات پر نور ساکن ہوئیں کہ وہ سکینہ کے آگے ہاتھ تک جوڑ کے دیکھ چکی تھیں۔

"ہرگز نہیں، اب ایسا سوچنا بھی مت۔" وہ دبے لہجے میں پھنکارا۔ "اور کسی بھول میں مت رہنا جو گڑیا کا خاندان ہے، اس کو راہ راست پر لانا تمہارا خیالی پلاؤ نہیں۔ جہاں تم اپنے باپ کی حویلی میں گھس کر توڑ پھوڑ کر آئی ہو اور ابھی اس گانے والی حور کے ساز چرا لے آئی ہو، اب کیسری کا رقص دیکھنا چھوڑ دو درین! اب تو تم نے بہت سارا علم بھی حاصل کر لیا ہے۔"

"اب وہ ہوگا جو میں چاہوں گا۔" وہ جھٹکے سے کھڑا ہوا۔

اس کا اشتعال میز سے ٹکرایا۔ میز کی ثابت قدمی فنا ہوئی تو کانچ کا باؤل اوندھے منہ گرا، جس میں ایک دانہ جنت کا بھی تھا گویا ایک آدم زاد کے اندر سے جنت کا لالچ ختم ہوا، اسے بس بنت حوا چاہیے تھی۔ اسے بنت حوا وجود کے ساتھ چاہیے تھی۔

"پنوں سمجھتا ہے کہ وہ کسی ناچنے گانے والی کے کوٹھے پر نہیں بیٹھا، وہ تو صرف محبت کرتا ہے تو اس کا سفر آسان ہو جائے گا تو یہ پنوں کی بھول ہے۔" وہ انار کے سرخ دانوں سے نظر ہٹا کے جانے کون سے رنگ میں گویا ہوئی تو اس کا پگ کی جانب بڑھا ہاتھ اور برآمدہ عبور کرتے قدم ساکت ہوئے۔

"رئیس کا ان سازوں کی چاہ میں خاک چھانتا یا خانان کا کیسری کی محفل تک اپنے قدم گننا اور مجبور کے صحرا ناپنا، یہ سارا سفر ایک ہی جیسا ہے اس لیے کہتی ہوں اپنے اونٹ مکران کے ساحل پر کھڑے رہنے دو اور درین جمال کو بس تھوڑا سا وقت دے دو۔" اس نے پاس آ کر اپنا ہاتھ نرمی سے اس کے کندھے پر

رکھا۔

وہ جانے کیوں اس کی باتوں کے جال میں الجھ سا رہا تھا۔ اس نے جیسے اس لڑکی پر ترس کھاتے ہوئے اپنا ارادہ فی الوقت ملتوی کیا اور اس کا ہاتھ جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔

پیچھے زمین پر بکھرے انار کے دانے اور فرش پر بہتی چائے ایک دوسرے کو ہمدردی سے دیکھ رہے تھے۔ اب پنوں کو بھی تعویذ ملی چائے پلائی جاتی تھی کہ وہ گڑیا کے سحر سے نکل آئے۔

''ہائے اس خاندان کے سحر زدہ مرد...... اور بے اثر تعویذ۔'' اس نے بوجھل سانس لیے پھر عقب میں جھانکا، جہاں نور چچی ساکن مشین پر ہاتھ رکھے ایک گہری سوچ میں گم تھیں۔

☆☆☆

یہ مارچ کے آخری دنوں کی ایک تیکھی سی دوپہر تھی اور بدلتے موسموں کی دوپہروں کا ہرجائی پن تو دیکھو، کبھی گرمی سے پہلو بچالیا تو کبھی سبک ہوا کو کھینچ کے سینے سے لگالیا۔ اس گھر میں ابھی کچھ دیر قبل دوپہر کا کھانا کھایا گیا تھا۔ اب گڑیا لاؤنج کی سینٹر ٹیبل سے برتن سمیٹ رہی تھی، قریب ہی شاہد صوفے پر آنکھیں موندے قیلولہ کی غرض سے لیٹا تھا۔

''اسی وقت ذرا رئیس کے گھر میں جھانکو تو درین اپنی سرخ سوجی آنکھوں سمیت چچا کی کسی بات پر ہنس رہی ہے اور جب قہقہہ روکنے کو اس نے منہ پر ہاتھ رکھا تو اس کا دم گھٹنے لگا۔ کچن میں ہانڈی بھونتی نور دروازے تک آئیں پھر ایک رشک زدہ آہ بھری۔

''دیکھو تو کیسی بے فکر لڑکی ہے، ایک میں ہوں کہ جس کی جان کو لاکھوں روگ لگے ہیں۔''

چچی کی رشک بھری بڑبڑاہٹ اس قدر بلند تھی کہ درین کے دل پر چوٹ سی پڑی۔

''ہائے درین! تجھے کوئی غور سے کیوں نہیں دیکھتا۔'' اس نے احتیاط سے پاؤں جھلایا جیسے چوری شدہ پائل باندھ رکھی ہو۔ اسے ماں سے بچھڑے سالوں بیت چکے تھے جو برسوں بعد آج کل پاکستان آئی ہوئی تھی اور آج اس سے ملے بغیر واپس جا رہی تھی کہ اس کا مصروف شوہر حیدرآباد تک آ کر اپنا وقت ضائع نہیں کرسکتا تھا۔

''آدھا دن تم نے ہنس ہنس کے گزار دیا، باقی کا بھی یہیں بیٹھے گزار دو گی۔''

پنوں کی آواز میں بے تابی تھی، آج درین کو گڑیا کے گھر جانا تھا۔

''اف۔'' اس نے نرمی سے آنکھیں بھینچیں، رات بھر برستی آنکھوں کی پلکیں آپس میں جڑ

''آخر اس گھر میں اسے کوئی دھیان سے کیوں نہیں دیکھتا۔''

اس نے چند گہرے سانس لیے، اگر وہ بھی اداس رہتی، ناشکری ہو جاتی، ناخوش رہتی تو چچی شاید اس کی چائے میں بھی تعویذ گھولتیں کہ درین بھی ماں کو بھول جائے۔

''صبر کرو، جا رہی ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے آگے بڑھی۔

''توبہ ہے۔ یہ لڑکی کس قدر ہنستی ہے۔'' اب کے نور کی آواز میں اکتاہٹ تھی۔ اس نے تو اگلا قدم نرمی سے اٹھایا تھا مگر اندر کہیں کچھ یوں ٹوٹا کہ اس کا ملال بکھر گیا۔ آج مارچ کی ہرجائی دوپہر مدھم سی [illegible] پر نثار ہو رہی تھی سو اس نے لان کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔

اب ذرا گلی میں آئیے، تو اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے حسام اکبر کا انتظار کر رہا تھا جو گھر سے اپنا فون اٹھانے گیا تھا۔

''ہائے درین! تجھے کوئی دھیان سے کیوں نہیں دیکھتا۔'' باہر گلی میں آتے ہی درین کا یہ شکوہ تڑک کے ٹوٹا۔ اسے دھیان سے دیکھنے والی آنکھیں اس کی حالت پر بے چین ہوئیں۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' وہ تمام احتیاط بالائے طاق رکھتا ہوا مقابل آ گیا تھا حالانکہ بقول درین کے حسام کا دم نکالنے والی وہ بلا نما بائیک آج بھی گلی میں موجود تھی۔

اور آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ درین کا دل چاہا وہ

دنیا کو دنیا تصور کر کے اس شخص کے کندھے پر سر رکھ کر تھم کا آخری آنسو تک بہا ڈالے۔

"مجھے کیا ہونا ہے؟" اس نے نگاہ چرائی وہ نگاہوں کا حصار توڑتی ہوئی اپنے راستے پر ہولی تھی۔ گڑیا کا گھر آنے تک وہ اس کے بے شمار میسجز بھی ان کرچکی تھی۔

"کچھ تو ہوا ہے، تم ڈسٹرب ہو اور گھنٹوں روتی رہی ہو۔"

وہ یہ میسج پڑھ کے ایک دو تین شاخہ پیڑ کے نیچے ٹھہر گئی۔ وہ ان الفاظ کی چھاؤں میں ٹھہر گئی۔

"ہائے، وہ اسے ایک نظر دیکھ کے اس میں موجود، درد کے سارے رنگ پا گیا تھا۔" اس کا دل اچانک سارے ملال جھٹک کے مسکرانے لگا۔ دنیا میں کوئی تو تھا جو اس کے دکھ سکھ کا حساب رکھتا تھا، اس نے دو تین شاخہ پیڑ کی گھنی چھاؤں میں چند ہرے بھرے سانس لیے پھر اپنی شفاف انگلیوں کے ساتھ فون آف کردیا تھا، ٹھیک اسی لمحے مین روڈ پر ڈرائیونگ کرتے حسام نے اپنے سیل فون پر اس کا میسج پڑھا۔

"تم اپنے کام سے کام رکھو تو بہتر ہوگا۔"

ساتھ ہی ایک سخت گیر ایموجی اسے ڈرا رہی تھی لیکن وہ آج ڈرنے کے موڈ میں نہیں تھا سو مسکرا دیا۔

☆☆☆

سکینہ نے ملازمہ کی معیت میں آتی درین کو بالخیر حیرت کے ساتھ دیکھا تو اس کے بھاری بھرکم وجود کی ہر جنبش میں ناگواری ابھری جسے اس نے چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اندر آنے والی مہمان نے اپنی آواز میں بشاشت سمو کے میزبانوں پر سلامتی بھیجی تو آنکھیں موند کے لیٹے میزبانوں نے الرٹ ہونے میں بس ایک لمحہ لگایا تھا مگر ماں کے ساتھ بیٹھی گڑیا کے ہونٹ ہلنے تک سے قاصر رہے کہ اس کی ماں نے درین کے سلام کا جواب سر کے اشارے سے بھی نہیں دیا تھا، ان کنگلوں پر سلامتی بھیجنا کچھ لازم نہیں تھا۔

اس نے اپنے سامنے مؤدب کھڑے شاہد کو توصیفی نگاہ سے دیکھا جس طرح ان دونوں نے دوستانہ انداز میں ایک دوسرے کا حال احوال دریافت کیا تھا تو خالہ سکینہ کا خطرناک حد تک جھکتا ایک بے ساختہ عمل تھا اگر درین کچھ بولتی تو اسے آج اس گھر میں اس شخص کا زمہ داری لے آیا تھا۔

"آپ پلیز، تشریف رکھیں۔" وہ درین سے اتنا کہہ کے ماں کی طرف متوجہ ہوا تو اس کی سنجیدہ نگاہ میں ایک تنبیہ تھی کہ گھر میں دشمن بھی آجائے تو دل بڑا کرلینا چاہیے۔

سکینہ نے بیٹے کی نگاہ پڑھنے کے ساتھ ہی کھلتے ہوئے پہلو بدلا، صد شکر کہ اسی لمحے اس کے فون کی کالنگ ٹون بجی تو اسے اس ناپسندیدہ ماحول سے اٹھنے کا بہانہ مل گیا۔

خالہ سکینہ کے جاتے ہی درین نے گڑیا کو بغور دیکھا۔ اس نے گڑیا کا چہرہ یک بارگی سفید اور زرد پڑتے دیکھا تو وہ اس کی کیفیت پر اندر سے کٹ کے رہ گئی۔

"اف ہم لڑکیوں کو محبت کس قدر مہنگی پڑتی ہے۔" اسی وقت شاہد اس سے معذرت کرتا یقیناً ماں کے پیچھے گیا تھا۔ اس نے گڑیا کے پاؤں پر نگاہ ٹکائی جن کے گرد سفر کا حاشیہ قوس قزح سمیٹے تھا۔ اس نے اس سفید پڑتی لڑکی کے پاؤں پر ایک سیاہ جھوٹا حل دیکھا جو مہار پکڑے شخص کی بھاری پگ کے تمام بل گننے کا خواہاں تھا۔

وہ کسی کا سفر اور اس کی جوتیاں چرانے نہیں آئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ خاندان کی محفل میں کیسری ننگے پاؤں رقص کرسکتی ہے تو سسی بھی بھنبھور کے صحرا ننگے پاؤں چھان سکتی ہے مگر وہ اسے بتا تو سکتی تھی کہ اونٹوں کی مہار تھامے شخص کا ساتھ صرف صعوبتیں دے گا۔ جب اس کے نام کی پکار گلیوں سے ابھرے گی تو وہ گڑیا نہیں کہلائی جائے گی، وہ سسی کے نام سے پکاری جائے گی۔

وہ اسے حکم دے رہی تھی کہ اپنے پاؤں کا جھوٹا

حل ساکت کر دو کہ پنوں ہونا آسان ہوتا ہے اس کے اونٹ واپسی کے راستوں کی نشانیاں یاد رکھتے ہیں۔ کسی ہونا مشکل ہوتا ہے، اس کے سفر میں واپسی کی نشانیاں گم ہو جاتی ہیں۔ رسوائیاں ہم سفر ہو جاتی ہیں۔

باہر لابی میں کھڑا شاہد اس لڑکی کی باتوں پر سُن ہو چکا تھا۔ چند باتیں وہ سمجھ چکا تھا اور چند جملوں کے معنی اسے ڈھونڈنا تھے۔ درین کی گفتگو نے اس کے چہرے پر پُر تفکر لکیروں کا جال سا بُن رہا تھا۔

اس بار جب وہ ماں کے کمرے میں جا رہا تھا تو قدم سست روی کا شکار تھے، اب لاؤنج میں درین جانے کتنی دیر سے اکیلی بیٹھی تھی یہاں تک کہ اس کے سامنے پڑی کولڈ ڈرنک بھی گرم ہو چکی تھی۔

وہ خالہ سکینہ سے ایسی ہی عزت افزائی کی متوقع تھی لیکن کچھ وقت مزید سرکا تو اس لڑکی کی آنکھوں کی سطح پر کھارے پانی نے ایک شکوہ رقم کیا۔

”ہائے رے وقت...... خانان کی پوتی کی اب یہ وقعت ہے، وہ جھک جھک کے آداب بجالانے والے لوگ کہاں زمیں برد ہو گئے۔“

اس نے خاموش لاؤنج میں نگاہ دوڑائی مگر درین جمال کا ضبط اتنا لاڈلا نہیں تھا کہ میزبانوں کی بے رخی پر بگڑ کے واپسی کی راہ پکڑتا۔ جانے کیوں اسے گڑیا کے بردبار قسم کے بھائی پر یقین ہو چلا تھا کہ وہ اپنی ماں کو سمجھا منا کر درین کے مقابل لے آئے گا اور اس کا یہ یقین غلط ثابت نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

وہ جوں ہی گھر میں داخل ہوئی تو حیرت کے بت میں ڈھلی، پنوں تو جیسے دروازے سے لگ کے کھڑا تھا اس نے حسب عادت سوال نہیں کیا مگر اس کی نگاہ درین کے چہرے پر چپک کے رہ گئی تھی، وہ اسے ذرا سا ترسانا چاہتی تھی۔

وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ صحن میں چلی آئی۔

”یہ راجپوت جو سوچتے ہیں، کر گزرتے ہیں، انہیں ترسنا تو آتا ہی نہیں۔“

صحن میں نور چچی آج کریلوں کا اچار ڈال رہی تھیں، انہوں نے ہاتھ روک کے درین کو دھیان سے دیکھا جیسے وہ اس کا چہرہ پڑھنا چاہتی تھیں، اس کے دل پر چوٹ سی پڑی یعنی اس گھر کے فرد چہرے پڑھنے کا ہنر جانتے تھے۔ پھر اس نے سانس روکے کھڑے پنوں کو دیکھا اور اس پر ترس کھاتے ہوئے اس کا سانس بحال کیا۔

”انہوں نے مجھے مایوس نہیں کیا بلکہ سوچنے کے لیے وقت مانگا ہے۔“

انہیں باخبر کرتے ہوئے وہ دل سے مسکرائی تھی حالانکہ ماں کی جدائی اس کے اندر ابھی بھی رو رہی تھی۔ وہ صحن میں لگے واش بیسن کی طرف چلی آئی، ابھی دوپہر کی تو بات تھی جب اس نے تڑپ تڑپ کے چاہا تھا کہ گھر کا کوئی ایک فرد تو اس کے دل پر چھائی ویرانی بھانپ جائے۔ وہ خود کو خوش قسمت تصور کر سکتی تھی۔

وہ خوامخواہ ہی ہاتھ دھونے لگی، جیسے دل کی ساری شکایتیں ہتھیلیوں میں سما چکی تھیں لیکن وہ کوئی ڈھیٹ دکھ تھا جو صابن کے ساتھ گھلا نہ ہتھیلیوں سے اترا۔

پیچھے صحن میں پنوں کی سرد آواز کے وہم اور وسوسے...... اگر اور مگر پر دم توڑ رہے تھے۔ جواب میں نور کی خوش آئند آواز تمکنت اور امید کا ہاتھ تھامے چہک رہی تھی۔ جب اس کے کان میں کیسری کی سرگوشی ابھری۔

”تم ایک ناشکری لڑکی ہو۔ تم اس شخص کو کیوں بھول جاتی ہو جو تمہارا حال نگاہ ملانے سے قبل جان لیتا ہے۔“ درین نے آنکھیں سکوڑ کے اسے تندی سے دیکھا اور جواب میں ایک لفظ نہیں کہا۔

یہاں تو خانان بھی کیسری کے بنا سہولت سے جی گیا تھا، وہ تو حسام تھا وہ ایک انوائرمنٹ آفیسر تھا۔ وہ ٹھیکے داروں کا غرور تھا، وہ کسی کیسری کا خانان یا کسی کا پنوں کیسے بن سکتا تھا۔ اس کے دل کی لگی کو بھی وہ دل لگی سمجھ

☆☆☆

کل شام سے دادی کے پیغامات وصول کر رہی تھی، وہ اسے اکبر کی بیوی سے ملوانا چاہتی تھیں کہ انہوں نے پھر کراچی چلے جانا تھا۔ وہ اپنی تئیں وہاں ایک مناسب وقت پر آئی تھی، یہ مرد حضرات کا آفس ٹائم تھا اور تھوڑی دیر پہلے اس نے زرقا چچی (حسام کی ماں) کو اپنی بہن کے گھر جاتے دیکھا تھا مگر ماہان ولا کے ڈرائیو وے پر حسام سے سامنا ہوتے ہی اس کا منہ بن گیا۔

"یہ کیسا مٹر گشت آفیسر ہے جو آفس ٹائم میں گھر کی راہداریاں ناپتا پھر رہا ہے۔" اس کی شکل نیم چکھنے والوں جیسی ہوئی، جبکہ اس مٹر گشت افسر نے اسے دیکھ کے جیسے دن دہاڑے ایک سحر انگیز خواب دیکھ لیا تھا۔

"بطور انوائرمنٹ آفیسر میرا فرض ہے کہ سامنے والے گھر سے نیم کے تمام درختوں کا صفایا کر دیا جائے کیونکہ نیم وہاں کے رہائشیوں پر خطرناک حد تک اثر انداز ہو رہا ہے۔"

وہ اس کا مزاج بھانپ کے فراخ دلی سے مسکرایا۔

"اس انوائرمنٹ آفیسر کا فرض صرف ایک سامنے گھر پہ ختم نہیں ہو جاتا۔" وہ بھی ہوشیاری سے مسکرائی اور انگلی سے آس پڑوس کے ان گھروں کی طرف اشارہ کیا جہاں نیم کے درخت سر اٹھائے کھڑے تھے۔

"وہ کیا ہے کہ ہمارے دل پر جن کا کڑوا مزاج چھتا ہے، ہم تو اب ان ہی کے آنگن میں موتیا اور گلاب اگائیں گے۔" درین نے اس کے لب و لہجے کی شریر چمک کو بمشکل نظر انداز کیا۔

"یعنی کہ تم بھی ایک کرپٹ آفیسر ہو۔" وہ مصنوعی تاسف سے سر ہلاتی آگے بڑھی، مگر اس نے دل ہی دل میں حسام کی تر و تازہ ہنسی کو ہمیشگی کی دعا دی تھی۔

"ارے دنی باجی یہیں رکنا۔" اسے سلو نے عقب سے پکارا۔ "نور چچی کہہ رہی ہیں واپس آؤ، گھر میں کباڑیے کی بیوی بقایا جات ادا کرنے آئی بیٹھی ہے۔ چچی کہہ رہی ہیں، سامان تم نے بیچا تھا تو حساب کتاب کی خبر بھی تمہیں ہی ہو گی۔"

تیزی سے وضاحت کرتا سلو اب اس کے قریب ہی آ چکا تھا۔ اس بچے کی منحوس آواز چھو منتر جیسی تھی، وہ وہیں جامد ہوئی، اس کے گھر میں موتیا اور گلاب اگانے والا بھی ساتھ ہی اسٹاپ ہوا۔ اس نے دن میں خواب دیکھنے والے کو اس کی اس حرکت پہ گھورا کہ "آپ تو اپنا کام کریں، جب گلاب بونے کا ارادہ کر ہی چکے ہو تو میرے صحن کا رخ کرو، میرے وجود سے نگاہ ہٹا لو۔"

اگلے لمحے اس نے بچے کی گردن دبوچی۔

"جب شرفاء کے گھر میں کباڑیے کی بیوی آئی بیٹھی ہو تو کیا یوں گلا پھاڑ کے بتاتے ہیں الو! تم یوں چلا رہے تھے جیسے وہاں گھر میں سنار کی بیوی آئی بیٹھی ہے۔"

اس نے آوارہ افسر کے قہقہے کو ہضم کرتے ہوئے سلو کے بازو پر زور کی چٹکی کاٹی۔ وہ درد سے یوں بلبلایا جیسے اسے ذبح کیا گیا ہو۔

"امی جی، مر گیا۔" اس نے خوب اداکاری کی۔

"لو اور سنو۔ نہ گولی، نہ بندوق...... ایسے ہی مر گیا۔" وہ بھنا کے بولی اور سلو کو بازو سے پکڑ کے اپنے ساتھ گھسیٹا۔ حسام نے لپک کے سلو کا دوسرا بازو پکڑا۔

"واقعی میں نہ بندوق...... نہ گولی۔ آخر مرنے کی وجہ کیا تھی، بتاؤ گے تو انعام ملے گا۔"

وہ آنکھیں چینی منی سی کر کے مسکرایا اور غصیلی چپل کی مالکہ پر چڑاتی نگاہ ڈالی، جو جزبز ہوتی سلو کو تواتر گھوریوں سے نواز رہی تھی۔

"انہوں نے جی مجھے جان لیوا چٹکی کاٹی ہے۔" وہ ہلکی آواز میں بولا کہ اپنے فلمی انداز کی بنا پر درین سے اکثر پٹتا رہتا تھا۔ حسام کا قہقہہ بے اختیاری تھا،

”کیا شرفا کو ایسا تشدد زیب دیتا ہے۔“ اس نے کان چھوئے تو درین کا چہرہ سرخ ہوا۔

”باجی تو زبان دراز تشدد بھی کرتی ہیں صاحب!“ وہ اپنی بات مکمل کر کے حسام کی آڑ میں ہوا جو صورت حال کو انجوائے کر رہا تھا۔

”ٹھہر، میں تجھے انعام سے نوازتی ہوں۔“ وہ گھوم کے اس کی جانب آئی۔

”مجھے انعام نہیں چاہیے مگر صاحب! دعا کرنا کہ ان کی شادی علاقہ غیر میں ہو جائے۔“

وہ کیسی دعا صاحب کے ذمے لگا کے وہاں سے بھاگ گیا تھا کہ صاحب کا چہرہ پہلے پھیکا پڑا پھر تمتما اٹھا۔ اب سچویشن انجوائے کرنے کی باری درین کی تھی، اس نے ہاتھ پھیلا کے حسام کو دیکھا۔

”چلیں جی، دعا کریں۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی۔

”شٹ اپ۔“ حسام نے اس کے دعائیہ انداز میں اٹھے ہاتھوں سے نگاہ چرائی۔

اسی لمحے حسام کی ماں ادھ کھلے دروازے سے اندر آئی۔ وہ گلی میں گونجتا درین کا قہقہہ سن چکی تھی جو کہ رنگ زدہ تھا پھر اس کے بیٹے کے چہرے کا رنگ کیوں اڑا ہوا تھا اس نے ان دونوں پر ایک متحیر اور گہری نگاہ ڈالی۔ درین اسے سلام کرتی قریب سے گزر گئی، اس کی چپل کا شور اب شرارتی سا تھا۔

”تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔“ زرقا کی آنکھیں الٹرا ساؤنڈ مشین کا کام کر رہی تھیں۔

”کیونکہ دوپہر کے بارہ بج رہے ہیں۔“ وہ مسکرایا اور ماں کے ساتھ روش پر چلنے لگا، جانے کیوں زرقا کا دل دہل دہل کے دھڑک رہا تھا، وہ اپنے اندر سر اٹھاتے بدترین خدشات کو مسلسل جھٹلا رہی تھی۔

☆☆☆

وہ ایک بات نہیں تھی، جیسے اس کے بیٹے نے اسے کنارے سے گہرے پانی میں دھکا دیا تھا۔

”یہ ایک بالکل فضول خواہش ہے۔“ سکینہ نے ایک جملے میں بات ختم کی اور خاموش ہو گئی حالانکہ اس کی حالت تھی، وہ تو بول بول کے، چیخ چیخ کے آسمان سر پر اٹھا لینا چاہتی تھی۔

”غضب خدا کا، اس کی بیٹی اور بیٹے کو بھرے جہاں میں ان ہی کنگلے عیاشوں کا گھر دکھائی دے رہا تھا۔“

”یعنی میری شادی کی بات ایک فضول بات ہے۔“ وہ سخت لہجے میں بولا۔

”درین سے شادی کی خواہش فضول بات ہے۔“ وہ بیٹے کا کڑا لہجہ بھانپ کے کچھ ڈھیلی ہوئی۔

”درین میں کیا برائی ہے؟“ پھر وہی لب و لہجہ۔

”اس میں کچھ خاص اچھائی بھی نہیں۔ کالونی میں اس کے اور حسام کے متعلق دبی، دبی چہ مگوئیاں ہوتی ہیں۔“ سکینہ نے بھی مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔

”درین ایسی ویسی لڑکی نہیں ہے۔“ بیٹے نے ماں کا الزام پل میں رد کیا۔

”سالوں بعد آئے ہو اور چند ہفتوں میں جان لیا...... واہ۔“ وہ طنز سے بولی۔

”سالوں سے پردیس کاٹ رہا ہوں، دنیا بھر کی عورتیں دیکھ چکا ہوں۔ کھرے اور کھوٹے کی پہچان رکھتا ہوں۔“ اگر ماں کا انداز لوہا تھا تو بیٹا پتھر بن گیا۔

”میں تمہاری شادی کسی کھاتے پیتے گھرانے میں کروں گی۔“ بالآخر وہ تیر کی طرح سیدھی ہوتی دل کی بات زبان پر لے آئی۔

”میں کھاتے پیتے گھرانے کا نہیں۔ اچھے گھرانے اور اچھی لڑکی کا خواہش مند ہوں۔“ اس کا لہجہ قطعی اور دوٹوک تھا، گویا اس کا فیصلہ پختہ تھا۔

”کان کھول کے سن لو شاہد! بھلے درین بھلا کے لیے ہمیں ماں کے زیور اور اپنے حصے کا لالچ دے چکی ہے پھر بھی میں وہاں گڑیا کے لیے رضامند ہوں گی اور نہ تمہارے لیے ایسا چاہتی ہوں۔“

خاموشی سے ماں کو دیکھتا رہا۔

"تھوڑی دیر پھر میرا فیصلہ بھی سن لیں، میں واپس جا کر آپ کو پیسہ تک نہیں بھیجوں گا، جب یہاں آپ کی اور آپ کے دونوں ناکارہ بیٹوں کی جمع پونجی تک ختم ہو جائے گی تو ہمارا اور رئیس چچا کا گھرانہ معاشی لحاظ سے ایک برابر ہوگا۔ پھر تو گڑیا اور میری شادی ان عیاشوں اور بھوکے ننگوں میں ممکن ہو گی اور یہاں آپ کے دونوں بیٹوں کے عیبوں پر میری کمائی نے پردے ڈالے ہوئے ہیں ورنہ پنچوں کردار میں ان سے لاکھ درجے بہتر ہے۔"

وہ اب پوری کھلی متوحش آنکھوں سے اپنے لائق فائق، کماؤ بیٹے کو دیکھ رہی تھی، جو بات کو گھما پھرا کے اسی موڑ پر لے آیا تھا۔ سچ تھا کہ ان کے یہ ٹھاٹ باٹ اسی کی کمائی سے تھے ورنہ...... بیٹا اسے دوبارہ گہرے پانی میں ڈبو چکا تھا۔

☆☆☆

زرقا کئی دنوں سے دیکھ رہی تھی کہ اس کی ساس رئیس کے گھر پیغام پر پیغام بھیج رہی تھی اور درین نامی اس نواب زادی کو آج کہیں فرصت ملی تھی جسے اب اب اس کی ساس پہلو میں بٹھا کر اس کی احسان مند ہو رہی تھی۔ آج زرقا، درین کو ایک بدلی ہوئی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ اس دوپہر کا منظر اس کے ذہن سے ہٹا ہی نہیں تھا۔ آخر وہ کیا بات تھی کہ اس لڑکی کی بے سر بزی اور اس کے بیٹے کا چہرہ زرد تھا۔ اس لڑکی نے اس کے بیٹے سے کچھ چھین لیا تھا کہ وہ مفلسوں جیسا لگ رہا تھا۔

"اس نے وہ دوپہر اپنے شوہر سے بھی شیئر کی تھی۔"

"ان کے درمیان بے تکلفی ایک عام سی بات ہے، بھلے گھروں میں آنا جانا ایک حد تک ہے مگر وہ ایک ہی جگہ اور ایک ساتھ پلے بڑھے ہیں۔"

امان، زرقا کو سرسری سا جواب دے کر کسی دوسرے کام کی طرف متوجہ ہو گئے تھے مگر وہ آج بھی غیر مطمئن تھی۔ درین سے حال چال پوچھنے کے بعد دادی نے گڈی کو آواز دی۔

"پہلے اکبر کی دلہن کو بتاؤ کہ درین آئی ہے پھر بہت اچھی سی چائے بنانا۔"

"رہنے دو گڈی! وہ اس وقت سو رہی ہو گی۔" زرقا کی گردن کا تناؤ آخری حد پر تھا اور لہجہ حد سے روکھا۔ جس نے دادی اور درین کے ساتھ ڈرائنگ روم کا دروازہ دھکیلتے حسام کو بھی چونکایا۔ وہ ذرا آگے آیا تو ٹھٹکا۔ اس نے ماں پر شکوہ بھری نگاہ ڈالی، پھر اس نے ماں کے خشک رویے کی اس شان داری وجہ کو دیکھا جو سپاٹ چہرے کے ساتھ دادی کے پہلو میں بیٹھی تھی۔

زرقا نے بیٹے کی نگاہ کو خوش گوار ہوتے دیکھا۔

"ارے واہ۔ آج تو دادی کے ساتھ چودہویں چاند جڑے ہیں۔" وہ سرشاری سے مسکراتا ہوا ان کی قریبی نشست پر ٹکا۔ اس کشیدہ ماحول میں اس نے دانستہ اپنے جذبات کو ہلکا سا رنگ چھڑکا تھا، اگر وہ اکیلے ہوتے تو وہ تنگ کے کہتی۔

"بس چودہیں چاند۔" لیکن اس وقت وہ اس کا خراب موڈ بھانپ چکا تھا۔ وہ ماں کی بے چینی بھی محسوس کر رہا تھا، تب ہی چائے کے لوازمات سے لدا پھندا ملازم لڑکا کچن ایریے کی طرف بڑھا تو حسام نے اسے ڈانٹ کر کہا۔

"بے وقوف! مہمانوں کی تواضع کا سامان باپردہ رکھنا چاہیے ورنہ بدمعاشوں کی لسٹ میں لگ جاتے ہیں۔"

اس کی مسکراتی آواز شرارتی ہو رہی تھی جس نے ماحول کا تاثر بدل دیا تو خاموش بیٹھی لڑکی بھی جھینپ کے ہنس دی تھی جبکہ دادی کا پوپلا قہقہہ جان دار تھا۔

زرقا اب کچن میں جا رہی تھی۔

"ارے ہاں دادی! یاد آیا۔ خشی اب آپ سے اجازت چاہتا ہے۔" اس نے نظر کا زاویہ خاصی دیر بعد بدلا۔

"ہاں، اب تو شام بھی ہونے کو ہے۔" پھر وہ کسی خیال کے تحت چونکیں۔

"منشی جب بھی ملتا ہے تو درین کے بارے میں ضرور پوچھتا ہے۔" منشی کا خاندان برسوں خاندان کا ملازم رہا ہے۔" دادی نے درین کو دیکھ کے بات کی جس کی آنکھوں میں عجب سی چمک تھی۔ اس کی وجہ دادی کی بات نہیں تھی بلکہ چچا میاں کا وہ جملہ تھا۔

"ارے ان ٹھیکے داروں نے تو ہمارے مزارعوں اور منشیوں پر بھی قبضہ جمالیا ہے۔"

"میں منشی کو درین سے ملوانا چاہتی ہوں۔" ساس کی اس بات پر کچن کے دروازے میں کھڑی بہو نے نخوت سے گردن کو جھٹکا دیا۔

"تو پھر ڈرائنگ روم میں آجائیں۔" وہ صوفہ چھوڑتے ہوئے بولا تو اس کی مخاطب درین تھی۔

"اے ہائے، وہاں کیوں بھلا؟" دادی نے حسام کو گھورا تو وہ بے ساختہ وہیں رکا۔

"وہاں منشی کے ساتھ علاقے کے دوسرے آدمی بھی ہیں، اب بچی ان کے سامنے کس حساب میں جائے۔"

"اف۔" حسام نے بلبلا کے سر جھٹکا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ یہ پردہ دار بی بی سارا دن بے حساب گھومتی ہے۔ وہ لب بھینچ کے اسے دیکھتا رہ گیا جس کی آنکھیں اسے چڑا رہی تھیں۔

"میں منشی کے رشتہ داروں کو ذرا خدا حافظ کرلوں، پھر اسے ادھر لے آتی ہوں۔" وہ چھڑی پر زور ڈال کر آگے بڑھیں، تو وہ پلٹ کے اس کے مقابل آیا۔

"سنو، تم پردہ کب سے کرنے لگیں۔" وہ مصنوعی تحکم سے بولا تو آنکھوں میں ایک میٹھا سا تحیر تھا۔

"جب تمہاری دادی کرواتی ہیں، کرلیتی ہوں۔" اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے تو وہ دونوں ایک ساتھ ہنس دیے تھے۔ اسی لمحے زرقا کی آنکھ میں ایک کڑوا تحیر ابھرا تھا' اس کا بیٹا تو چھپا رستم نکلا۔

دادی منشی بابا کو ساتھ ہی لے آئی تھیں، جس کی آنکھیں درین کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہی نم ہوگئی تھیں کیونکہ بچپن میں اس سے اکثر ملتا رہتا تھا۔ منشی بابا کو محبت سے دیکھتی درین اس وقت گڑبڑائی جب اس نے درین کی ہتھیلی پہ ہزار کا نوٹ رکھا۔

"ارے نہیں بابا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"نخرہ کیسا، رکھ لو بھئی۔" زرقا ہنسی اور قریب سے گزر کر اپنے کمرے کا رخ کیا۔ درین کے چہرے نے کئی رنگ بدلے، اس نے مخل ہوتے حواسوں کو بدقت نارمل کیا۔ دادی نے حسام پر جتاتی نگاہ ڈالی کہ تمہاری ماں کا ہنسنا متکبرانہ اور ہتک آمیز تھا، وہ ان سے نگاہ چرا کے فوری پلٹ گیا تھا، اس کے چہرے کا تاثر ناقابل فہم تھا۔

☆☆☆

"ٹھیکے داروں کی بہو خاصی سمجھ دار ہے، جو جانتی ہے کہ ہزار ایک اچھی خاصی رقم ہے جس سے دس ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں۔" زرقا کا جملہ وہ بیرونی روش پر ست قدموں کے ساتھ چل رہی تھی، اس نے سامنے دیکھتے ہوئے چند کڑوے سانس لیے۔

"حسام سچ کہتا ہے، نیم کے پیڑ اسے کڑوا رہے تھے۔ وہ مہمانوں کو سی آف کرنے کے بعد ابھی گیٹ کے پاس ہی موجود تھا، اس کے گھر کی راہداری پر جو لڑکی سست روی سے چلتی آرہی تھی۔ وہ شخص اس کے قدموں کی شوخ آہٹوں کا عادی تھا۔ آج وہ رونق کہیں نہیں تھی جو اس کی نخریلی چپل کے شور سے حسام کے دل میں لگا کرتی تھی۔

"چچا میاں کی باتیں کس قدر سچ تھیں، آہ۔ وہ کیسے گرج گرج کے برستے تھے کہ یہ غاصب جٹ، انہوں نے ہمارا عروج چرا لیا تھا۔ بھلے پائی پائی چکائی ہوگی تو زمینوں کی چکائی ہوگی۔ ان کے مزارعے، ان کے منشی، ان کے کھیتوں پر اڑنے والے پرندے اور پرندوں کی میٹھی بولیاں یہ سب اس خاندان نے کب خریدا۔"

اس نے ایک کڑوا کسیلا ہنکارا بھرا۔ "ہونہہ" وہ اسے دیکھنے لگا شاید وہ اس کے چہرے پر ماں اور بیل ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو اس کے پاس رکی، پھر اسے ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ گھورا۔

"میری دادی کہتی تھیں، ہم راجپوت عورتوں کو قبیلہ یوں دیکھتا ہے جیسے ان کو کعبہ نظر آ گیا ہو۔ تیکھی نظر۔"

وہ گردن کو جھٹکا دے کر قریب سے گزر گئی۔ اس کی چال کے بدلے ہوئے رنگ نے اس شخص پر کیا کیا نہ عیاں کیا تھا۔

"تمہارے گھر میں درین کا دل بے تحاشا دکھا ہے۔ تمہاری روش پر چلتی درین کی آنکھ بھی نم ہوگئی ہے۔" اداس سی چپل پر بوجھ ڈالتی اس کی شفاف ایڑیاں بھی درین سے نگاہ بچا کے اس سے شکوہ کر رہی تھیں۔ آج زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے دل کو دھواں ہوتے محسوس کیا، وہ جانتا تھا کہ گھر میں اس کی دادی کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں ہوگی۔

☆☆☆

اس نے گھر کا دروازہ تو آہستگی سے ہی کھولا تھا لیکن اگلے ہی پل اس نے جو چیخ ماری، وہ خاصی بلند تھی۔

"ہائے ہائے کیا ہوا؟" اندر کمرے میں پلنگ کی چادر بدلتی نور چچی تیزی سے باہر آئیں۔

"شاید دروازے سے چپک کے ہی بیٹھی تھی، جیسے ہی کھولا تو پاؤں کے نیچے آ گئی' بدتمیز۔"

اسے اپنی بے ساختہ چیخ پر غصہ آیا کہ اس کی چیخ وہاں تک بھی پہنچی تھی جہاں وہ آوارہ افسر کھڑا تھا۔ وہ برآمدہ عبور کرتی صحن میں آ گئی۔

"میں تم سے سو بار کہہ چکی ہوں کہ یہ بدحال بلیاں گھر میں گھس آئیں تو انہیں شش کر کے نکال دیتے ہیں، جب ان کی مہمان داریاں دودھ ملائی سے ہوں گی تو پھر تو بار بار آئیں گی۔"

نور کو جیسے آج دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا مگر ان کے وہ جملے درین کے دل میں تیر کی طرح گڑے، نیم کے موٹے تنے پر اس کا ہاتھ جا ہوا۔ جیسے جھلا کے وہ پرندوں کو اڑا دینا چاہتی تھی۔ نور اس کی متواتر خاموشی پر ٹھٹکیں۔ درین ان کے حساب سے گھر جلدی آ گئی تھی۔

"اکبر کی دلہن کیسی ہے؟" انہوں نے بات بدلی۔

"میں نے نہیں دیکھی، وہ سو رہی تھی۔" اس نے موٹی شاخ کو زور سے جھلایا۔ پرندوں نے اڑاریاں لیں مگر اس گھنی شاخ سے ایک چمکتا پر نظر آ رہا تھا، وہاں کوئی اجنبی پرندہ دم سادھے بیٹھا تھا۔

"لو بھلا، یہ کیا بات ہوئی، مہمانوں کے آنے سوتوں کو جگایا جاتا ہے۔" چچی کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"زرقا جان بوجھ کے بہو کو ہم سے ملوانا نہیں چاہتی۔" انہوں نے تیوری چڑھائی اور بڑبڑاتی ہوئی اندر جانے لگیں۔

"چچی! ایک بات تو بتائیں۔" درین ان کی سمت گھومی۔

"اگر بدحال بلیاں گھر میں گھس آئیں تو انہیں شش کر کے کیوں نکالتے ہیں۔"

نور جیسے پاؤں چلتا بچہ تھیں، جو شاخ سے زمین پر گریں۔ جانے وہ کتنی دیر بعد اٹھنے کے قابل ہوئیں اور چوکھٹ تھام کے بولیں۔

"جب روز قیامت ہو، تو یہ سوال اپنے باپ دادا سے کرنا، ان کے پاس ضرور جواب ہوگا۔" ان کی آواز نہایت نحیف تھی۔

☆☆☆

وہ اندر آیا تو سب اس کی سوچ کے مطابق تھا۔ لاؤنج میں صورت حال خاصی کشیدہ تھی۔ دادی آنکھیں بھر بھر رو رہی تھیں اور عین سائیں کے سامنے زرقا بھی کوئی پاؤ پاؤ بھر کے آنسو بہا رہی تھی اور وسطی صوفے پر اس کا باپ سر تھام کے بیٹھا تھا، جسے ان دونوں کی تکرار پر بیڈ روم سے باہر آنا پڑا تھا۔

"لو آ گیا آپ کا بیٹا۔ پوچھیں اس سے۔ میں

نے درین کی شان میں کون سی گستاخی کی ہے۔" زرقا کی آواز غصے سے کپکپا کے رہ گئی۔ حسام نے ایک بوجھل سانس لیا۔ ماں نے اسے خوامخواہ جج کے عہدے پر فائز کر دیا تھا۔

"میرے سو بار بلانے پر وہ تمہاری اس راجدھانی میں آئی تھی اور میری مہمان کی جو بے عزتی تم نے کی، وہ میں مرتے دم تک یاد رکھوں گی۔" دادی کی گھٹی گھٹی آواز پھر سے سسکیوں میں ڈھلی۔

حسام کے لیے یہ ایک کٹھن مرحلہ تھا۔ ماں اور دادی کے علاوہ تیسرا اس کا دل تھا جو آج معمول کی رفتار سے سست تھا۔ زرقا کی پرامید نگاہ ابھی تک بیٹے پر جمی تھی، اسے چند لمحے مزید دیکھنے کے بعد اس نے جان لیا تھا کہ وہ بھلے کھڑا کھڑا بوڑھا ہو جاتا۔ کبھی یہ اعتراف نہ کرتا کہ ماں کے وہ الفاظ ہتک آمیز نہیں تھے۔

امان وہ قصہ دو فریقین سے سن چکے تھے، کون غلط تھا، کون صحیح۔ اس کا فیصلہ وقوعہ پر موجود تیسرے فرد نے کرنا تھا، امان نے اس تیسرے فرد کو بہت گہرائی تک جانچا، ان کی بیوی کو صرف شک تھا کہ وہ درین کو پسند کرتا ہے مگر باپ کو بیٹے کی غیر حالت دیکھ کر یقین ہو چلا تھا کہ معاملہ پسند سے آگے کا ہے۔

"یہ کیوں بولے گا، یہ تو اسی کے خیر خواہوں میں سے ہے، اسی کا طرف دار ہوگا۔" وہ تپ کے بولی اور دانستہ گلوگیر ہوئی کہ بیٹا تڑپ کے یا مسکرا کے کہے گا۔

"امی! آپ کیسی بات کر رہی ہیں۔" اس نے دیکھا کہ وہ جو بے حرکت کھڑا تھا، وہ ماں کی بات پر مسکرایا۔ امان نے غور کیا وہ ایسے موڈ میں تھا کہ بات نکلے اور دور تلک جائے۔ ماں اسے مسکراتا دیکھ کے جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔

"آپ نے یہ اندازہ تو لگا لیا کہ میں اس کا خیر خواہ ہوں، سو اسی کی طرف داری کروں گا۔" وہ سہولت سے چلتا ماں کے قریب ہوا۔ "کاش آپ نے یہ اندازہ بھی لگا لیا ہوتا کہ میں اس کا طلب گار بھی ہوں، تو درین کے لیے آپ کا دل اتنا سخت نہ ہوتا۔"

اس نے یہ بات جس قدر سکون سے کی تھی، [illegible] نے ماں کے سکون کو اسی قدر [illegible] آج سے قبل جانتی ہی نہیں تھی کہ اس کا بیٹا اتنی [illegible] بات اتنی آسانی سے کر سکتا ہے۔ وہ ٹھنڈی ٹھار [illegible] اور جب بولنے کے قابل ہوئی تو بلا وجہ ہنسی۔

"اگر تم نے آئندہ ایسی فضول بات کی ہو تو یاد رکھنا۔" اس نے انگشت شہادت اٹھائی اور کسی کڑی دھمکی کا سہارا لینا چاہا، لیکن جملہ ابھی ادھورا ہی تھا کہ وہ بول پڑا۔

"امی! یہ کوئی مقابلہ بازی نہیں، میری زندگی کا سوال ہے۔ آپ کی جانب سے کوئی جذباتی سین ہوگا اور نہ ہی میں کوئی دھمکی سنوں گا۔ میری شادی ہر صورت اور ہر حال میں درین سے ہی ہوگی، ان شاء اللہ۔" اس کا لب و لہجہ انتہائی قطعی اور پتھریلا تھا کہ وہ دونوں میاں بیوی لاجواب رہ گئے۔ دادی کی خاموشی ہولناک تھی کہ ان راجپوتوں کی عقل بہت ٹیڑھی تھی اور ادھر معاملہ دل کا تھا۔

"بالفرض ہم مان بھی جائیں تو کیا گارنٹی ہے کہ ادھر سے انکار نہیں ہوگا؟" کتنی ہی دیر بعد امان نے بیٹے سے یہ بات کسی دوست کی طرح ہی کی تھی۔

شوہر کی اس رضامندی نے زرقا کا دل کاٹ کے رکھ دیا تھا۔

"ادھر سے انکار ہوگا، یہ آپ کا خواب ہے۔ ارے ان کے دل تو خوشی سے بند ہو جائیں گے۔ ارے میں کتنی سیدھی عورت تھی، یہ کھیل میری ناک کے نیچے کھیلا جا رہا تھا اور میری عقل پر پردے پڑے رہے۔"

وہ جس کیفیت میں تھی تو بس ایک اپنا منہ نہیں نوچ رہی تھی۔

"خدا کے لیے امی!" وہ جھنجھلایا، اس نے کچھ کہنا چاہا تو دادی نے اسے اشارے سے منع کیا۔ ساتھ ہی اسے وہاں سے جانے کا بھی اشارہ کیا۔ ابھی دادی نے اپنے خاموش بیٹھے بیٹے کو بھی سنبھالنا تھا، جسے حسام نے اک کڑی دھوپ میں لا کھڑا کیا تھا۔ اسے

اندازہ تھا کہ رئیس جیسے جذباتی اور کینہ پرور شخص سے سامنا کرنا امان کے لیے کڑی دھوپ سے بھی بدتر تھا بلکہ دادی کے لیے یہ صورت حال آگے آگ تو پیچھے دریا جیسی تھی۔

☆☆☆

درین نے آج دوسرے دن فون آن کیا، تو حسام کے بے شمار میسجز اس کے منتظر تھے۔

"مجھے تم سے ایک خوب صورت ترین بات شیئر کرنی ہے اور وہ بات تمہارے روبرو ہوگی۔"

"اونہہ۔" اس نے ناک چڑھائی۔

"ناممکن۔" اسے دو حرف میسج کرنے کے بعد اس نے ٹی وی کی آواز تیز کی۔

"چلو تم مجھ سے نہ ملو، میں مل لیتا ہوں۔"

"ناں میں۔" وہ اس کا میسج پڑھ کے بولائی، بات تو ایک ہی تھی۔ "ناممکن......اور دوسری بات جس نے کبھی فیض کو پڑھا ہو نہ فراز کو، جس کا ادب آداب سے واسطہ ہی نہ ہو وہ اور خوب صورت باتیں...... آہ۔"

اسے یہ دو جملے میسج کرنے کے بعد اس نے ٹی وی کی آواز مزید تیز کی، وہ اس شخص کی کوئی بات نہیں سننا چاہتی تھی جس کی ماں نے درین کو اس کی اوقات دکھانے کی ایک بے رحم کوشش کی تھی، وہ زرقا چچی کی کچھی آنکھوں کے خوف بجھتی تھی۔

"میں نے تمہیں خوب پڑھ رکھا ہے درین! سو میں خوب صورت باتیں کر سکتا ہوں۔" وہ یہ میسج پڑھنے کے بعد بے ساختہ جھینپی۔

"ڈھیٹ۔" اس نے فون اوندھا کیا اور اس پر تین چار کشن رکھ دیے۔

کشنز کے نیچے سے ابھرنے والی دبی دبی میسجز ٹون اسے بجلی لگ رہی تھی۔ ایک امیر خاص کو اس سے چند لمحے مستعار چاہیے تھے اس کی حالت فقیرانہ تھی۔ وہ خیرات کے موڈ میں نہیں تھی۔

☆☆☆

ماہ اپریل کے طوالت پکڑتے دنوں کے چہرے عموماً شفاف ہی ہوتے ہیں، لیکن اس بہار میں آسمان کی حالت کسی ہجر زدہ جیسی تھی، وہ بے موسم برس رہا تھا۔

آج جس وقت درین اپنی پکی سہیلی کی شادی اٹینڈ کرنے آئی تھی۔ تو دھوپ کی چاندی چمک رہی تھی پھر شام کو خوب بارش ہوئی، اب رات کے نو بجے آسمان پر صرف بادلوں کی چہل پہل تھی۔ سو موسم کی نیت بھانپ کر اس نے رکشہ والے چچا کو جلدی بلا لیا اور آدھے راستے تک دادی کے فون سے کوئی چوتھی بار کال ریسیو کر رہی تھی۔

بقول گڈی کے دادی کا بخار تین سو تک پہنچ چکا تھا۔ گڈی کے علاوہ گھر میں کوئی بھی نہیں تھا وہ حقیقتاً پریشان ہوئی اور گڈی کو بتایا کہ وہ کچھ دیر تک پہنچ جائے گی۔

☆☆☆

خالہ سکینہ اپنے گھر کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ان کی گلی کے موڑ تک آ چکی تھی۔ بجلی بند ہونے کی وجہ سے گلیوں میں گھپ اندھیرا تھا، صرف وہاں لائٹس آن تھیں۔ جن گھروں میں یو پی ایس لگے تھے، وہ اگر دن کے اجالے میں آتی تو اسے سو جاننے والے دیکھتے پھر چونکتے کہ رئیس خان کے گھر سکینہ کا کیا کام۔

آہ...... تقدیر کہ آج وہ اسی گھر میں دامن پھیلانے آئی تھی جن کا دامن وہ برسوں سے جھٹکتی چلی آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد نور کے سامنے بیٹھی سکینہ گیس لائٹ کی مدھم روشنی میں بس اپنے ہاتھوں پر نگاہ ٹکائے ہوئی تھی اور نور اسے تخمینے سے تک رہی تھیں۔ وہ گڑیا کی ماں تھی پھر ان کے گھر کیوں آئی تھی، وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھیں لیکن نواڑی پلنگ کے سنہرے پائے سے لگی کیسری بہت کچھ سمجھ رہی تھی اگر دور کھڑی تقدیر کی آنکھ میں کچھ چھپا تھا تو ساتھ ہی کیسری کی آنکھ میں بھی ایک گہرا پچھتاوا چھپا تھا۔

آج پہلی بار اس کا دل چاہا تھا کہ درین گھر میں قدم رکھتے ہی اسے کوسنا شروع کر دے بلکہ اس کا دل

چاہ رہا تھا کہ درین کو دھکے دے کر گھر سے نکال دینا چاہیے۔

☆☆☆

انا جائے بھاڑ میں، اسے دادی بہت عزیز تھیں۔ اس نے رکشہ بھی امان ولا کے گیٹ پر رکوایا، ادھر اس نے ڈور بیل بجائی، ادھر گیٹ کھل گیا۔ گڈی جیسے منتظر ہی تھی۔

"دادی اب کیسی ہیں؟" اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا لیکن ملگجی رہداری میں گڈی کے قدموں کی رفتار بہت تیز تھی۔ ابھی وہ اوپر پورشن کی عقبی سیڑھیوں کے پاس ہی تھی کہ اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا گیا۔ وہ اس لمس سے شناسا سی تھی۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے؟" وہ دبی آواز سے بولی۔

"میرے ساتھ آؤ۔" وہ سختی سے بولا تو وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چلی آئی۔ اب وہ کمرے میں آمنے سامنے کھڑے تھے، وہ اسے کڑے اشتعال سے گھور رہی تھی اور وہ سنجیدہ تھا۔ وہ اس کا سارا ڈرامہ سمجھ چکی تھی۔

"تمہاری حرکتیں ایسی ہیں کہ تم چچا میاں کے ہر الزام کے قابل ہو۔" وہ دانت پیس کے گویا ہوئی۔

"اور یہ تمہارے چچا کے الزام کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم دونوں گھرانوں کے تعلقات میں ہمیشہ کھنچاؤ رہا، فاصلہ رہا۔"

آج برسوں بعد اس کی سنجیدہ آواز میں ایک شکوہ ابھرا تھا۔ وہ بچپن کے بعد آج اس کے کمرے میں آئی تھی، اس نے حسام کی خود میں دلچسپی محسوس کرتے ہوئے بھی اپنا رویہ اس کے ساتھ ہمیشہ محتاط ہی روا رکھا تھا۔

"جو بھی ہو، اس طرح مجھے دھوکے سے بلانا بھی غلط ہے۔" اس کا انداز لڑاکا تھا۔

"اور اس طرح ہر بات پر، ہر کام پر اگلے بندے کو ناممکن ناممکن کہنا بھی غلط ہے۔ مجھے کوئی ایک بندہ ایسا بتاؤ جسے کال ریسیو کرنے کا بھی بل آتا ہو۔"

وہ شدید ناراضی سے بولا۔

"میں اب کال کرنے کا بل بھی افورڈ کر سکتا ہوں، بقول تمہاری امی کے میرے پاس ایک بڑی رقم موجود ہے نا۔"

اس کے لب و لہجے میں ایک تیز کاٹ تھی، جسے حسام نے دانستہ نظر انداز کیا، وہ اس ملاقات کو کسی جھگڑے کی نذر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"کم آن درین! تم ابھی تک اسی فضول بات کے گرد گھوم رہی ہو۔" وہ ایک لمحے کو سنجیدہ ہوا۔

"اگر زرقا چچی ابھی تمہارے کمرے میں آ گئیں تو کیا وہ یقین کریں گی کہ میں یہاں مرضی سے نہیں آئی جب باتیں مجھے سننی اور سہنی پڑیں تو ایٹی ٹیوڈ بھی مجھے ہی دکھانا ہو گا نا۔ تم تو چار دن بعد دوبارہ کہو گے کہ میں ایک فضول بات کے گرد گھوم رہی ہوں۔"

اس کی تلملاہٹ عروج پر تھی۔

"یہ سچ ہے کہ گڈی اور دادی کے سوا، گھر میں اور کوئی نہیں۔" وہ تیزی سے بولا۔

"سچ صرف اتنا ہی ہوتا ہے، باقی سب جھوٹ ہوتا ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے مسکرایا۔

"اور وہ جھوٹ صرف ایک لڑکی کی زندگی ویران کرتا ہے۔" اسے حسام کی اس حرکت پر رہ رہ کے غصہ آرہا تھا۔

"میری ساری زندگی جھوٹ ہو سکتی ہے سوائے تمہارے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کے بولا حالانکہ اسے درین کی بات پر شدید تاؤ آیا تھا لیکن وہ آج لڑنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس نے چند لمحوں میں اپنا مزاج بحال کیا۔

"میرے پاس ایک خوب صورت ترین بات ہے۔" وہ اگلے پل مسکرایا۔ "میں اس بات کو اپنے پاس رکھ رکھ کے خاصا خوب صورت ہو چکا ہوں۔ اب اس خوب صورتی کے باقی رنگ تمہیں دینا چاہتا ہوں۔" اس کا دھیما سا لہجہ سننے کے لائق تھا۔

"جانے تم کس غلط فہمی کا شکار ہو حسام! تمہاری

"پاؤں کے رنگوں کا مجھ سے کیا لینا دینا۔" وہ رکھائی سے بولی۔
"ذرا یاد کرو، میں نے کب تمہارے قدموں کی آہٹوں کو گن گن کے اپنے پلوؤں سے باندھا۔" اس نے ناک چڑھائی اور اپنے سیاہ دوپٹے کا ایک پلو ادا سے جھٹکا، وہ مسکرا دیا۔
وہ ان پرشوق اور بہت کچھ تلاشتی نگاہوں سے دامن بچاتی اس ریک کی طرف آئی جہاں کرسٹل کے لائٹ گرین دیدہ زیب گلدان میں صرف ایک نازک سا سبز خوش نما پتا ملائم ٹہنی کا اکیلا مکین تھا مگر وہ عجب رونق دکھا رہا تھا۔ کمرے کی باقی آرائش میں سفید رنگ نمایاں تھا، شاید یہی وجہ تھی کہ قیمتی گلدان میں سجا وہ پتا آنے والوں کی توجہ کھینچ لیتا تھا۔
"بہت خوب صورت۔" وہ بے ساختہ بولی۔
"یعنی ہم دونوں۔" اس نے برجستگی سے جواب دیا جبکہ اس کے لبوں پر ذومعنی مسکراہٹ تھی۔
وہ بس تیوری چڑھا کے سوالیہ سی ہوئی۔ وہ ریک کے دوسری جانب اس کے عین سامنے آیا۔
"یہ میں ہوں اور جب میں نے خود کو خریدا تھا تو میں پانی جیسے رنگ کا تھا۔" اس نے لائٹ گرین گلدان کے کنارے پر ہاتھ رکھا۔ "اور یہ تم ہو۔"
اس نے اس مغرور پتے کو محبت سے نرمی سے چھوا۔ وہ بس آنکھوں میں مسکرایا، وہ مبہوت ہوئی۔
"اتنے سالوں میں، میں نے صرف رنگ بدلا ہے۔ ابھی مجھ پر پورا رنگ کہاں چڑھا ہے۔"
دُرین نے آج جانا کہ آواز بھی مہک رکھتی ہے، لفظوں سے بھی خوشبو اڑتی ہے۔ وہ جیسے خود میں سمٹ سی گئی، پھر کچھ جھینپ کر اس کی دو انگلیوں کو پتے سے پرے کیا تو وہ بے طرح محظوظ ہوا اور سر جھٹک کے ہنس دیا۔
"چچا تمہارے بارے میں صحیح کہتے ہیں۔" وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی اور پلٹ کے دروازے کی جانب بڑھی، اس نے دوپٹے کا پلو سر پر یوں لیا کہ چہرہ ڈھک سا گیا۔
محبت مدھم روشنی کا سنگھار تھی اور دُرین وہ سنگھار اس شخص کی نگاہ سے چھپا لینا چاہتی تھی، جیسے دُرین کے وجود پر کوئی بار سنگھار کہاں برداشت ہوتا تھا۔
"ذرا رکو تو، میری وہ بات تو رہ گئی۔" اس نے جست بھر کے اس بھاگتی ہوئی لڑکی کا آنچل تھاما، جسے آئینہ دیکھنے کا شوق سا ہو رہا تھا۔ وہ گرتے گرتے سنبھلی، دوپٹہ رخ سے سرک گیا۔ وہ چوتھی سیڑھی پر آیا، وہ چوری پکڑی جانے پر اب اس کے سامنے دم سادھے کھڑی تھی۔ وہ اسے کب سے دیکھ رہا تھا، وہ تو دیکھ رہا تھا جب کوئی سانس روک کے کھڑا ہوتا ہے تو کیسا لگتا ہے۔ ابھی وہ بات تو اس نے کی ہی نہیں تھی جس بات کا حسن وہ اس کے چہرے پر دیکھنا چاہتا تھا پھر اس کے بہت پاس کھڑی لڑکی کا چہرہ اتنا رنگ دار کیوں ہو رہا تھا۔
"تم غلط سمجھ رہے ہو۔" اس نے لہجہ ترش کیا اور نگاہ اٹھائی۔ "ایسا کچھ بھی نہیں ہے، تمہاری دل لگی پر اعتبار کس کو ہے۔" اس نے کندھے جھٹکے اور نگاہ میں نیم کھولنا چاہی مگر جانے اس انوائرمنٹ آفیسر کی نگاہ میں کیا تھا کہ وہ پلک جھپکنا بھول گئی، اپنی ہی دھڑکنیں گنتا دل ساری ترتیب بھول گیا۔
وہ کیا کہہ رہا تھا، یہ وہ حسام تو نہیں تھا جو اسے راہداریوں، گلیوں، دکانوں پر تنگ کرتا تھا، جس کی شرارتی آنکھیں اسے کوفت میں مبتلا کرتی تھیں، جس کے خوب صورت قہقہے اسے زچ کرتے تھے۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں شرارت تھی، نہ وہ محظوظ ہو رہا تھا نہ وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ غلط اور صحیح سے بے غرض تھا، اس کے سامنے وہ تھی جس کی پیشانی پر پسینے کی ٹھنڈی بوندیں تھیں۔
☆☆☆
اسے آئینہ دیکھنے کا شوق سا ہو رہا تھا، وہ اپنا چہرہ تیز روشنی میں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ گھر آتے ہی برآمدے میں لگے آئینے کی طرف بڑھی۔ ابھی وہ ہر بات سے بے خبر تھی ورنہ اسے گھر میں آتے ہی کیسری کو برا بھلا کہنا چاہیے تھا۔ بیڑا غرق ہو اس رقاصہ کا،

جس نے خانان کو عقل سے اندھا کر دیا تھا ورنہ ان دو ٹکے کے محلے داروں کی کیا جرأت تھی کہ خانان کی پوتی کا رشتہ مانگنے آتے۔ کل جب اس لڑکی کو حقیقت کا علم ہوگا تو وہ صحن میں کھڑی اسے کیا کیا نہیں سنائے گی۔ چوکھٹ سے ٹیک لگائے کھڑی کیسری کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ اب کیسری کو یہاں نہیں رہنا تھا، کیسری آئینے کی طرف لپکتی درین کے راستے میں آئی۔

وہ درین کی واحد سہیلی تھی مگر اس وقت اس کا رویہ غیروں سے بھی بدتر تھا۔

"تم تو کہتی تھیں، وہ آوارہ ٹھیکے دار خانان تو نہیں کہ میں کیسری بن جاؤں۔ جب وہ لڑکا خانان نہیں تو کیسری تمہارے اندر امیر خسرو کا کلام کیوں گا رہی ہے۔" اس کا لہجہ اور سوال ہی نہیں، اس کے چتون بھی تیکھے تھے۔

"کیسا گیت...... کون سا کلام؟" درین نے گھبرا کر اپنے شفاف چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

کیا وہ اپنی چھاپ تلک محبوب پر وار آئی تھی یا اس نے چھین لی تھی۔ اس کی گلابی انگلیاں اس کے چہرے کا ہار سنگھار ڈھونڈنے میں ناکام ہوئیں، اس کا رنگ اڑا۔ وہ پھر سے آئینے کی طرف لپکی، پھر وہ رکی۔ وہ متحیر ہوئی۔ کیسری نے ساڑھی کے پلو سے آئینہ ڈھانپ لیا، اب کے درین ٹھٹکی۔ وہ اندر تک چونکی، اس نے اپنی سہیلی کا پتھریلا چہرہ بغور دیکھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو خاموشی سے تکے جا رہی تھیں۔ کئی لمحوں بعد ساڑھی والی لڑکی کے لبوں نے حرکت کی۔

"تم نے اپنا ہر سنگھار ناحق ضائع کیا، کوئی بھی دوسرا خانان نہیں ہو سکتا۔"

درین کا چہرہ آگ ہوا۔ کیسری کے پاس آج ننگے اور کاٹ دار ہتھیار کہاں سے آ گئے تھے، وہ وار کر رہی تھی، وہ دشمن بن رہی تھی۔

"واقعی کوئی بھی دوسرا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ تمہارا خانان صرف ایک زوال تھا، وہ اپنی ہی نسل کا زوال تھا۔"

وہ غرائی۔ اس نے بھی جوابی وار کیا۔ اس نے بھی دشمن بن کے جواب دیا۔

"وہ صرف عشق تھا اور عشق سود و زیاں کا [illegible] نہیں رکھتا۔" اس نے دوسرا وار کیا۔ وہ درین کے [illegible] سے کھیل رہی تھی۔

دشمن کو گھر میں کون رکھتا ہے، وہ محبوب [illegible] سے دھکے کھا کے نکلنا چاہتی تھی۔ اس بار وہ لاجواب ہوئی۔

وہ پریشان ہوئی۔ آخر اس کے جانے کے [illegible] گھر میں کون آیا تھا، جس کی ملاقات نے کیسری کو بے وفائی سکھا دی تھی جو بھی آیا تھا اس کا فیض [illegible] کے لیے زوال تھا۔ اسے ہمیشہ کیسری کے سحر [illegible] گرفتار رہنا تھا، وہ اسے گھر سے کیسے نکال سکتی تھی اس کی سہیلی تھی۔ وہ اس کی رازدار تھی۔

☆☆☆

زرقا نے کچن کے دروازے سے ذرا باہر جھانکا تو اس کے پیٹ میں اینٹھن سی ہوئی، اس کا شوہر [illegible] کے پہلو سے چپک کے بیٹھا تھا۔ وہاں بات چیت سرگوشیوں میں ہو رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ [illegible] بیٹے کو رات کی روداد سنا رہی ہوگی کہ رات کو زرقا اور حسام کے بیچ گھمسان کا رن پڑا تھا۔ زرقا نے [illegible] اس شادی کے کئی نقصان وہ پہلو دکھانے کی کوشش کی تھی۔

رئیس کے ہاتھوں بے عزت ہونا ایک طرف اس نے تو بیٹے کو درین کی ماں کا کردار تک جتایا تھا۔ نسل اور اصل والی عورت بھی اولاد سے منہ نہیں موڑ [illegible] اور بیٹی اسی فیصد ماں پر جاتی ہے۔ اس کے منہ میں [illegible] آیا، اس نے کہا۔ وہ بیٹے کی جس قدر منت سماجت کر سکتی تھی، اس نے کی۔ تمام جھگڑے اور بالوں [illegible] نتیجہ درین اور بس درین ہی نکلا۔ حسام یہ فیصلہ سنا [illegible] کے بعد گھر میں رکا ہی نہیں تھا۔ اس نے گزشتہ [illegible] بھی گھر سے باہر ہی گزاری تھی چونکہ امان بھی [illegible] میں ہی تھے تو زرقا صبح سویرے ہی سو جے اور [illegible]

منہ کے ساتھ بہن کی طرف چلی گئی۔ وہ پہر کو جب اس کی واپسی ہوئی تو نا صرف چہرے کے زاویے درست تھے بلکہ طبیعت سے بے سکونی بھی غائب تھی۔ بہر حال اس کے پرسکون مزاج نے دادی کا سکون غارت کر دیا تھا۔

سہ پہر تک امان بھی واپس آ گئے تھے اور حسام بھی جو ماں سے بات کیے بنا سیدھا کمرے میں چلا گیا تھا۔ زرقا کو بیٹے کی ناراضی کی کچھ خاص پروا نہیں تھی، اسے اصل خطرہ امان کی طرف سے تھا جو ہمیشہ مسئلے کو ہاتھ سے نکلتا دیکھ کے مسئلہ سنبھال لیتے تھے۔ اس وقت بھی وہ چائے کے ہمراہ لاؤنج میں آئی تو شوہر کو کسی گہری سوچ میں گم پایا، انہوں نے بیوی پر تیز نگاہ ڈالی۔

"جوان بچوں سے مقابلے کا نتیجہ اکثر برا نکلتا ہے۔" امان عجب سرد مہری سے گویا ہوئے۔ اگر وہ یہی بات گزشتہ روز کرتے تو وہ تڑپ اٹھتی کہ شوہر اوکھلی میں سر دینے کو تیار تھا مگر اب حالات مختلف تھے۔

"رات کو ہونے والی بات چیت مقابلہ تھا نہ جھگڑا۔ ایک ماں ہونے کے ناتے اسے زمانے کی اونچ نیچ سمجھانا میرا فرض تھا۔" اس نے خلاف عادت تحمل سے جواب دیا۔ بہو کے میٹھے ٹھنڈے لہجے نے دادی کی بے چینی کو اور ہوا دی۔ "ذرا سوچیں! تو بھی بڑے کی شادی کو جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اور چھوٹا بھی شادی کو تیار بیٹھا ہے۔"

وہ شوہر کو چائے کا کپ تھماتے ہوئے بڑبڑائی جبکہ دادی کے کمرے سے آتے حسام نے طمانیت بھرا سانس لیا۔ وہ آج باپ سے کھل کے بات کرنا چاہتا تھا اور وہاں آل ریڈی وہی بات زیر بحث تھی۔

"حسام کی یہ خواہش ناجائز بھی نہیں، ماشاءاللہ سے اب کماتا بھی ہے، جلد شادی کرنا چاہتا ہے تو قباحت کیا ہے۔" دادی نے بہو کو جواب دینا ضروری سمجھا، وہ کون سا اس سے دب کے رہتی تھیں۔ وہ تینوں افراد باتوں میں یوں محو تھے کہ چائے سرد کرتی زرقا کے عقب میں کھڑا حسام ان کی نگاہوں میں نہ آ سکا۔

"شادی کا بھوت ہے تو اتار بھی دیجیے لیکن اس کی جو درین نامی کنڈیشن ہے، وہ قابل قبول نہیں۔" اس کے لہجے میں تلخی سی تھی۔

"امی! آپ عجیب بات کرتی ہیں۔ درین کو آپ نے نہیں، مجھے قبول کرنا ہے۔ آپ نے بس اپنا دل بڑا کرنا ہے۔"

وہ کف فولڈ کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولا اور عین باپ کے مقابل نشست سنبھالی۔

زرقا بیٹے کی اچانک انٹری پر خفیف سا گڑبڑائی، جو بھی تھا حسام کی رات بھر کی غیر حاضری نے اسے خاصا ڈرا دیا تھا۔

"خیر میں تو دل بڑا کر ہی لیتی لیکن آج جو خبر آپا نے بتائی ہے تو...... اختلاف اپنی جگہ پر دل خوش ہوا کہ راجپوتوں کا کوئی تو معاملہ سیدھا ہونے والا ہے۔"

وہ بے فکرے پن سے مسکرائی پھر ان کو سوالیہ پا کر اس نے بات کو مزید آگے بڑھایا۔

"پرسوں سکینہ آپا نے شاہد کے لیے درین کا رشتہ ڈالا ہے۔ ادھر یہ لوگ برسوں سے گڑیا کے طلب گار ہیں تو دیکھ لیجیے گا اب بات وٹے سٹے پر ختم ہو گی۔" وہ کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے بولی۔ وہ حیران تھا کہ کیا واقعی اس کی ماں نے چائے کپ میں انڈیلی تھی اگر ایسا ہی تھا تو اسے کس چیز نے جلایا تھا۔

"شاہد کے لیے درین کا رشتہ۔" چائے کی تپش سے اندر کی کھولن کہیں زیادہ تھی۔ درین کا ہاتھ مانگنا صرف اس کا حق تھا، وہاں ایک گہری خاموشی چھائی رہی۔

"اس کا کیا مطلب ہوا کہ سکینہ نے رشتہ بھیجا ہے تو باقی سب ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھے رہیں۔" پھر اس گہری خاموشی کو دادی کی پاٹ دار آواز نے ختم کیا۔ انہوں نے حسام کے دل کی بات کی تھی۔

"محلے داری کا بھی کچھ لحاظ ہوتا ہے اماں! اب سکینہ آپا کیا سوچیں گی کہ ان کے رشتہ بھیجتے ہی ہم مقابلے بازی پر اتر آئے ہیں اور فرض کریں کہ......"

"مجھے کچھ فرض نہیں کرنا۔" وہ ایک دم کھڑا ہوا۔ "مجھے یہ سوچنا ہی نہیں کہ ذرقا کی بات منہ میں رہ گئی۔ کل اتوار ہے اور رئیس چچا گھر پر ہوں گے، میں اب مزید تماشا نہیں چاہتا۔ کوئی کیا سوچتا ہے۔"

اس نے بات تیزی اور طیش سے ختم کی پھر اس کے قدموں نے بھی رفتار پکڑی۔ اس کا رخ باہر کی جانب تھا۔ ماں چائے کا کپ لیے کھڑی رہ گئی۔

"کس قدر سرکش اور بدتمیز ہو گیا ہے۔" اس نے بیٹے کے اوجھل ہوتے ہی کپ میز پر پٹخا۔

"اسے اس نہج پر لانے والا کون ہے؟" امان نے بیوی پر سنگین نگاہ ڈالی جس نے فوری نگاہ چرالی تھی۔

☆☆☆

چچی نے انہیں وہ بات بتانے سے قبل جانے وہاں کون سا اسم پھونکا تھا کہ ان تینوں افراد نے چپ سادھ رکھی تھی، جب اسم کا توڑ ذرا کم ہوا تو ان کے چہروں پر تحیر چھا گیا پھر ان سب کی نگاہیں درین پر ٹھہریں۔ وہ فاتح جو تھی۔ اس نے میدان مار لیا تھا۔ پنوں کے چہرے پر سرخی دوڑی اور وہ مسکرایا۔ اس نے سامنے بیٹھی درین کو بھی مسکراتے دیکھا جو آخر کار بامراد ٹھہری تھی لیکن وہ بامراد لڑکی ابھی تک اسم کے حصار میں تھی۔ خاموش، ساکن...... پھر دھیان ایک تیز آواز سے بکھرا۔

"ان لوہا کوٹنے والوں اور ٹھیکے داروں کی اتنی جرأت کہ خانان کی پوتی کا رشتہ مانگنے چلے آئے۔"

اف چچا میاں کی آواز میں غضب کا طیش تھا۔

"اور یہ بے غیرت خوشی سے باؤلا ہو رہا ہے۔" اس نے پنوں پر انگلی اٹھائی۔ "اس کا عشق تو ناک کے رستے نکال دوں گا۔"

"ہی ہی ہی......" درین کی نم آنکھوں میں ہنسی چھم سے اتری۔ ادھر پنوں کے چہرے پر ہنسی چھم سے غائب ہوئی۔ اس منظر نے درین کو خاک کیا، ختم کیا۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک ہنس سکتا تھا۔ یہ انکشاف جان لیوا تھا۔

"اس وقت تمہارا نشہ اترا ہوا ہے، رئیس، اگر یہاں نشے کی حالت میں آتا تو تمہیں ان لوہا کوٹنے والوں کی جرأت ہی نہیں دولت بھی نظر آ جاتی، رہی بات پنوں کی تو تم اس کا عشق ناک، آنکھوں اور دل سے بھی نہیں نکال سکتے۔ یہ عشق موروثی ہے۔"

چچی کے الفاظ سرد اور لہجہ گرم تھا۔ درین ایک پل میں ٹھنڈی ہوئی۔

"ہائے اللہ جی۔" چچی نے ماتھا پیٹا پھر دوپٹے کے پلو کی گانٹھ کھولی۔ "یہ پیسے پکڑ اور باپ کے لیے نشہ لے کر آ۔ یہ اچار کی شیشیاں، یہ کھنڈر بنا گھر، یہ کڑوے پیڑ، ہم سب کی بدحالیاں...... یہ سب نظر اسے نشے کی حالت میں سچ دکھائی دیتا ہے اور اترے نشے میں یہ بے رحم راجپوت غیرت کے خواب دیکھنے لگتا ہے اب اس کے یہ خواب تم دونوں کی جوانی کھا جائیں گے۔ چل بھاگ کے جا، میرے بچے۔"

نور نے پنوں کے ہاتھ پر ہزار کا نوٹ رکھا، جو اگلے لمحے چچا کے ہاتھ میں آ کر دو ٹکڑے ہو چکا تھا۔

"ارے میں کہتی ہوں وہ کافر تو پیدا ہوتے ہی زمین میں گاڑنے لائق تھی۔ پھر آج یہ دن کا ہے کو دیکھنے پڑتے۔"

چچی نے اپنے نقصان پر اپنی واحد دشمن کو کوسا۔ درین کا چہرہ زرد ہوا۔ اس نے ایک گوشے میں سمٹے کھڑی اور ٹکڑوں میں بٹی کیسری پر بھیگی نگاہ ڈالی جو نوٹ کے دو ٹکڑے لپک کے اٹھائے۔ وہ کیسری کو جوڑنا چاہتی تھی، وہ محبت کو جوڑنا چاہتی تھی۔

"تم چاہتی ہو، میں ان غاصبوں کو اپنی ہیرے جیسی بچی سونپ دوں، انہیں پھر سے مالا مال کر دوں جنہوں نے ہمیں کنگال کیا تھا۔"

چچا کی آواز سے چھلکتی ہوش مندی نے صرف راجپوتوں کے ہی نہیں ٹھیکے داروں کے اور لوہا کوٹنے والوں کے بھی ہوش اڑا دیے تھے۔ گویا اپنی جوتوں کے تلوے چمکانے لگی تھی اور پنوں کمران کے ساحل پر کھڑے اونٹوں کو سفر کی سمتیں سمجھانے لگا تھا۔

☆☆☆

"میں نے کہا تھا کہ حسام اور درین کا کوئی چکر ضرور ہے۔ جس کی گواہی اب حالات دے رہے ہیں۔ پورے ایک ہفتے سے حسام کے والدین آخر رئیس کے ہاتھوں کس کارن بے عزت ہو رہے ہیں حالانکہ وہ کب درین کو بہو بنانے کے خواہش مند تھے۔" سکینہ نے بیٹے پر مسکراتی اور جتاتی نگاہ ڈالی۔

"درین کو بہو بنانے کی خواہش مند تو آپ بھی نہیں تھیں، آپ بھی ان کے گھر میری خواہش پر جاتی ہیں۔ میں بھی درین کا طلب گار ہوں۔" وہ بہت مبہم سا مسکرایا۔ "ہمارا کام اس لڑکی کے کردار پر انگلی اٹھانا نہیں ہے بلکہ ان کے فیصلے کا انتظار کرنا ہے۔" وہ ایک بجھ بوجھ میں گھر کے بولا۔

"بے کار کی آس مت لگاؤ شاہد ایک طرف حسام ہے جو کروڑوں کا نہ سہی لاکھوں کا مالک ہے۔ دوسری طرف تم ہو۔"

وہ اچانک خاموش ہوئی، اپنے گریبان میں جھانکنا اتنا آسان نہیں تھا۔ غرور کا سر ہلکا سا جھکا تھا۔

"بھلے تم لاکھوں کماتے ہو لیکن حقیقت سب جانتے ہیں کہ تم پردیس میں ٹرک ڈرائیور ہو۔"

وہ ذرا سا بے چین ہوا۔

"میں نے کہا نا کہ ہمیں انتظار کرنا ہے۔" ایسا کہتے ہوئے اس نے ماں کو بغور دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں ادھر سے انکار کی منتظر ہے، وہ اس کے منع کرنے کے باوجود روز ان سے فیصلہ مانگنے پہنچ جاتی تھی۔

☆☆☆

"درین میری کال ریسیو کرو۔" پہلے یہ میسج گھنٹوں کے وقفے سے آتا تھا، جب ادھر سے چچا کا انکار پکڑتا گیا تو دوسری طرف سے میسجز کا دورانیہ گھٹتا گیا۔ وہ اس سے کیا بات کرتی، کوئی تسلی، کوئی وعدہ، کوئی امید۔ اس کے پاس ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔

درین نے وہ فیصلہ چچا پر چھوڑ دیا تھا، ایسا بھی نہیں تھا۔ چچا کیا چاہتا ہے، وہ صرف دیکھنا چاہتی تھی۔ درین کا طلب گار حسام تھا، وہ باقی عمر محبوب کی چوکھٹ پار کرتے تمام کر سکتا تھا مگر اس کے ماں باپ آخر کب تک رئیس کے پاؤں پڑتے، وہ گانے والی کا کوٹھا چھوڑ کے ایک ہفتے سے گھر میں بیٹھا تھا۔ اب دادی تھیں جو روز گندی کے کندھے پر ہاتھ رکھے ان کی چوکھٹ پار کرتیں تو چچی کی نگاہ درین کے چہرے پر جم جاتی۔ وہ اسے گہرائی تک کھوجتیں، وہ بچوں کی ماں تھیں۔ درین کو چچی کی آنکھ میں چھپے خدشات سہما دیتے۔ اسے لگتا اب چچی اسے بھی تعویذ گھلی چائے پلانے لگی ہیں، لیکن وہ اپنی چائے میں تعویذ کا ذائقہ ڈھونڈتی رہ جاتی۔

ایک ہفتہ ہوش مندی میں گزارنا رئیس کے ضبط کی آخیر تھا۔ وہ برسوں کا بیمار نظر آنے لگا۔ اگلے دن جب وہ گھر آیا تو نشے کی حالت میں تھا، اسے گھر میں پڑی اچار کی بوتلیں، سیمنٹ جھڑتی دیواریں، گرتے پیڑ، ان سب کی پریشانیاں ایک سچ کی صورت دکھائی دینے لگیں۔

حور نے اسے سو باتیں سمجھا کے بھیجا تھا، وہ اس کے ٹکڑوں پر پل رہا تھا، اسے رئیس کی غیرت کا اچار نہیں ڈالنا تھا۔ یہ رئیس کی خوش قسمتی تھی کہ اب ان دونوں گھروں کے افراد کو اس کی ہوش مندی گوارا نہیں تھی۔

آج جب دادی ان کے گھر آئیں تو رئیس نے انہیں ٹھیکے داروں کی بہو کی نظر سے دیکھا، حور کی بات ذہن میں تازہ ہوئی۔

"سارے جہان میں صرف رئیس ہی کنگلا کیوں ہے۔ عقل کے گھوڑے دوڑاؤ اور اچھے وقت کو ہانک کے لے آؤ کہ اس بار عشق ٹھیکے داروں کی گلی میں ناچ رہا ہے۔"

آج اس نے دادی کو مایوس نہیں کیا۔ اسے یہ رشتہ کئی شرطوں کے ساتھ منظور تھا۔ وہ جیسے جیسے شرطیں بتاتا گیا، دادی، نور اور درین کی سانس سینے میں اٹکی رہی۔

اس نے چچا کا فیصلہ سن لیا تھا، اب اسے اپنا فیصلہ سنانا تھا۔

☆☆☆

رئیس کی شرائط سن کر امان ولا میں گویا تہلکہ مچ گیا تھا۔ کسی کو کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔ اکبر کو بھی کراچی سے ارجنٹ بلوالیا گیا، ایک حسام خاموش تھا، باقی سب اپنی اپنی بول رہے تھے۔

"تمہارے حصے کی تمام پراپرٹی درین کے نام ہوسکتی ہے کہ بطور سیکیورٹی یا حق مہر رشتوں میں ایسا طے ہونا ممکن ہے لیکن خانان سے خریدی ہوئی زمین رئیس کے نام کروانا، اس دیوانے کا خواب ہے جس کا پورا ہونا ممکن ہی نہیں اور ایسی شرط اک نشے میں مبتلا شخص ہی رکھ سکتا ہے۔"

امان بے بسی کی حالت سے باہر آئے اور اپنی بات مکمل کرنے کے بعد بیٹے کو نہایت افسوس کے ساتھ دیکھا، انداز معذرتی تھا کہ اب بس......

"مگر بابا! رئیس چچا نے یہ بھی تو کہا ہے کہ وہ اس زمین کی قیمت قسطوں میں ادا کرتے رہیں گے۔"

اکبر قدرے ہچکچا کے بولا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ رئیس سے تو ایک قسط کی ادائیگی تک ناممکن تھی اور امان نے جواب میں ایک استہزائیہ ہنکارا ابھرا تھا۔ حسام اب بھی بالکل ساکن ٹھس بیٹھا تھا، جیسے وہ گونگا اور بہرہ ہو۔

"یہ سیکیورٹی ہے نہ حق مہر۔ ارے کوئی بے وقوف بھی سنے گا تو یہی کہے گا کہ رئیس اپنی بھتیجی کو بیچ رہا ہے۔"

ماں کی اس بات پر حسام کے وجود نے ایک بے کلی سی جنبش کی۔ زرقا اب کہیں جا کے حواسوں میں لوٹی تھی۔

"امی! خدا کے لیے آپ تو خاموش رہیں۔ اس طرح چیخنے چلانے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔" اکبر نے جیسے منت کی۔

"اب یہ مسئلہ کسی طور بھی حل نہیں ہوگا، بس بات ختم سمجھو۔" وہ اپنا سینہ مسلتی ہوئی صوفے پر ڈھے سی گئی۔

"امی! میں محض پراپرٹی کی وجہ سے درین کو چھوڑ دوں، یہ ممکن ہی نہیں۔" وہ سرد لہجے میں قطعیت سے گویا ہوا۔

"خانان کی زمین سے میرا جتنا حصہ بنتا ہے میں وہ تو رئیس چچا کے نام کرسکتا ہوں۔"

اس نے یہ بم پھوڑنے کے بعد صرف دادی کی طرف دیکھا جو اس کی پیغام رساں تھیں کہ جا کر اسے خبر کردیں کہ کوئی اس کے عشق میں فقیر ہونے کو تیار ہے یعنی اسے رئیس کی ہر شرط منظور تھی۔

اس نے وہاں موجود ہر ایک کی چلتی سانسوں پر پاؤں رکھا تھا، وہ سب تڑپ کے رہ گئے۔ ایک خاردار خاموشی در آئی جسے امان کی تلخ آواز نے خاصی تاخیر سے پاٹا۔

"اگر کل کلاں کو رئیس نے درین کو گھر بسانے ہی نہ دیا تو کنگال ہو جاؤ گے لہٰذا اب جو فیصلہ بھی کرنا، اپنی دربدری کو ذہن میں رکھ کے کرنا۔" باپ کی رحم آواز نے اسے کند چھری سے ذبح کیا۔ وہ چند ثانیے باپ کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر جیسے خود کلامی کی۔

"میں اس کل کلاں میں بھی کنگال ہو جاؤں گا، دربدر ہو جاؤں گا جس میں وہ نہیں ہوگی۔" اس کا لفظ لفظ بے کلی کی ڈور سے بندھا تھا گویا اب وہی ہونا تھا جو حسام چاہتا تھا۔ سب نے جان لیا کہ اسے سمجھانا بے فائدہ ہے، سب نے خاموشی سے اسے جاتے دیکھا حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

"لاحول ولاقوۃ۔" امان نے اپنا فون میز پر پٹخا۔ "یہ نابنجار کس مجنوں کی اولاد ہے۔"

اس نے بیوی کو کڑے تیوروں سے گھورا تو دادی کی "استغفراللہ" بے ساختہ تھی۔ زرقا نے اچانک کھل جانے والے منہ پر کپکپاتا ہاتھ رکھا تھا۔

"آپ سے اللہ پوچھے۔" وہ بھڑک کے بولی۔

"توبہ توبہ۔" اس نے دونوں کان چھوئے۔

☆☆☆

رئیس کی زبانی نشر ہونے والی اس خبر نے ا

کالونی کو گھما ڈالا۔ انہوں نے دانتوں میں انگلیاں لیں۔ اس کی وجہ رئیس کا شرطیں رکھنا نہیں تھا بلکہ داب پہلے داروں کا ان شرائط کو قبول کرنا تھا۔ اس خبر نے بکھنے کے دل کی حالت بھی غیر کر رکھی تھی۔ درین اتنی خاص تھی، کیا وہ سونے کی کان تھی۔ اس خبر نے شاہد کے حواس جھنجوڑ کے رکھ دیے، حسام کی زندگی میں درین کی اہمیت اور حیثیت نے اسے تڑپا سا دیا۔ اسے لگ رہا تھا، وہ بازی ہارنے والا ہے، بہرحال ابھی دونوں امیدواروں کو راجپوتوں کی جانب سے اقرار کا عندیہ ملا تھا نہ انکار کا پیغام۔ گڑیا اور پنوں کی حالت کو بھی اسی بات نے سنبھال رکھا تھا جبکہ درین کی ذہنی اور دلی حالت ابتر تھی، حسام کے اس فیصلے نے اسے ہلا کے رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

دادی نہیں جانتی تھیں کہ یہ ناراضی کا اظہار تھا یا اس کی وجہ کچھ اور تھی مگر علی الصبح ان کی بہو اور بیٹا اکبر کے ساتھ کراچی جا چکے تھے۔ حسام آفس سے آیا تو گھر میں گہری خاموشی تھی۔

اس نے محض دادی کے اصرار پر کھانے کے نام پر دو چار نوالے ہی حلق سے اتارے، وہ تھوڑی دیر دادی کی لاتعلقی برداشت کرتا رہا۔ جیسے ان سب نے حسام کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

"کیا میں غلط کر رہا ہوں؟" اس کا لہجہ ایک تڑپ لیے تھا۔

دادی نے ایک بسمل آہ بھری اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"تم غلط نہیں کر رہے ہو میرے چاند! مگر جو ہو رہا ہے، وہ بھی صحیح نہیں ہے۔" حسام نے محسوس کیا جیسے ان کی آواز بہت دور سے آ رہی تھی۔ وہ بہت دور تک دیکھ رہی تھیں۔ "اسے جانتے ہو نا؟" وہ جیسے بہت قریب سے بولیں۔ اس نے نفی میں سر ہلایا نہ اثبات میں۔ بس نگاہ جھکالی کہ وہ اسے جانتا تھا۔

"میں یہ سب کرنے پر مجبور تھا، میرے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا جو مجھے اس تک لے جاتا۔"

اس کے لہجے کی بے کلی حد سے سوا تھی۔

"وہ اس راستے سے بھی تم تک نہیں آئے گی۔" دادی کی خنک آواز نے اسے برف کا کیا۔ وہ اسے جانتا تھا، اس لیے اس کی کوئی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ وہ اس لڑکی کو سمجھتا تھا کہ وہ کیوں ڈسٹرب ہے، یہ بھی جانتا تھا کہ وہ کیا بات کرنا چاہتی ہے۔ اسے یقین تھا کہ وہ جلد ہی اس کے روبرو آئے گی۔

☆☆☆

"حسام! میری کال ریسیو کرو۔" اس کے فون پر گزشتہ رات یہ میسج وقتاً فوقتاً جاتا رہا تھا۔ آج دوپہر کے بعد اس وقفے کا دورانیہ گھٹتا گیا۔ دوسری جانب سے کال ریسیو ہوئی، نہ کسی میسج کا ریپلائی آیا۔ اس نے کچھ سوچا پھر گڈی سے رابطہ کیا، قسمت یہاں اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ اگلے دس منٹ بعد وہ دادی کے سامنے کھڑی تھی۔

"میں حسام سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے دادی کا ہاتھ محبت سے تھاما، دادی کا دل ہول اٹھا تھا۔ درین کے لمس میں ایک انہونی سی رینگ رہی تھی۔

☆☆☆

کمرے میں آنے کے بعد اس نے اپنا فون آن کیا، جہاں درین کے میسجز کا سلسلہ تھم چکا تھا اس نے فون بیڈ پر اچھالا اور رِسٹ واچ اتارنے لگا کہ دروازہ بجا۔ وہ خفیف سا مسکرایا، دادی سیڑھیاں چڑھنے سے قاصر تھیں اور یہ دستک گڈی کی نہیں تھی۔ اس کا پلان کامیاب ہوا تھا، وہ تیز قدموں سے چلتا دروازے تک آیا۔

دروازہ وا کرتے ہی وہ جامد ہوا۔ اسے درین کے چہرے پر چھائی ویرانی نے متحیر کیا۔

"نصیب ہمارے۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی، پھر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ درین کے قدم سست تھے اور دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ کیا اس شخص سے جان چھڑانا آسان تھا، وہ اس کے سامنے آئی۔

وہ اسے ٹکٹکی باندھ کے دیکھ رہی تھی۔ حسام کو کچھ عجب سا محسوس ہوا، وہ اس کی غصیلی تیز اور کڑوی کسیلی نگاہ کا عادی تھا۔ وہ اسے اتنے غور سے کب دیکھتی تھی۔

"کیا ہوا درین؟" اس کے استفسار میں نرمی تھی۔ درین کے دل کو دھکا سا لگا۔ وہ پریشان ہوا۔ وہ اس کی خاطر بھرے جہان میں اکیلا پڑ گیا تھا اور وہ ان دنوں خود کو چھپتی پھر رہی تھی، اس نے جان لیا تھا کہ درین اور بچوں میں سے محبت کا فیض کسی ایک کو ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ کسی ایک کو خسارہ بھگتنا تھا، اس کا خسارہ صرف دل کا خسارہ تھا۔ دوسرا خسارہ نسلوں کو بھگتنا تھا۔ اس نے نگاہ موڑ لی۔

"تمہارے پاس پیسہ ہے، عہدہ ہے۔ تم کسی کو بھی خرید سکتے اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم درین کو بھی خرید سکتے ہو۔" اس کے طنزیہ لب و لہجے نے حسام کو حیران نہیں کیا تھا، وہ یہی توقع رکھتا تھا۔

"شٹ اپ درین!" وہ پھر بھی اس الزام پر تڑپ سا گیا اور اس...... پرشاکی نگاہ ڈالتا سامنے سے ہٹ گیا۔ وہ جو آج اسے بے حساب دیکھنا چاہتی تھی، وہ گھوم کے اس کے سامنے آئی۔

"ابھی میرا اچھا بھوک کے نشے میں ہے ورنہ راجپوت بیٹیوں کا سودا نہیں کرتے۔"

وہ ضبط کرتے کرتے بھی آپے سے باہر ہوئی۔

حسام کے اندر اٹھنے والا ابال شدید ترین تھا مگر وہ آج اس لڑکی کی ہر ادا برداشت کرنا چاہتا تھا۔

"سودا نہیں کیا، وہ سب تمہارے سر سے وار کے تمہارا صدقہ دے دیا ہے۔" وہ اس کے الجھے بکھرے گردن کے گرد اڑتے بالوں کو نظر سے سنوارتا محبت سے جواب دہ ہوا۔

بات مکمل ہو چکی تھی، اب کوئی سوال بنتا ہی نہیں تھا مگر وہ آج تادیر وہاں رکنا چاہتی تھی اسے باتوں میں سے بات نکالنا تھی۔ حسام جسے صدقہ سمجھ رہا تھا، وہ ٹھیکے داروں کی نسلوں کا خسارہ تھا۔

"اوہ۔" وہ لب سکیڑ کے مسکرائی۔ "تم نے صدقے کی نیت کی، جسے اللہ اور میں نے تسلیم سمجھو میری ہر بلا ٹل گئی، اب اس سے آگے ختم۔"

حسام نے اسے چپ کے گھورا۔ "تو کا قصہ ایک طرف...... لیکن یہ سراسر جھوٹ ہے ٹل گئی۔ میں نے آج بھی خالہ سکینہ کو تمہارے جاتے دیکھا تھا جبکہ وہ لوگ جان چکے ہوں کہ......" وہ بات مکمل کرنا چاہتا تھا مگر درین نے سے کاٹ دی۔

"تمہارے گھر کمشنر کی بیوی آئے یا کسی کی۔ کبھی ہم نے تو اعتراض نہ کیا۔ ہمارے گھر بلی کا بچہ آ جائے یا پھر درخت پر کوئی پرندہ ہی جائے، تمہیں اعتراض کیوں ہوتا ہے۔"

وہ تنک کے بولی شاید وہ اسے یا خود کو اس کی جھلک دکھانا چاہتی تھی، جسے وہ گم کرنا چاہتی تھی۔

"مجھے اعتراف ہے، مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہوتا۔ اب خالہ سکینہ کو تمہارے گھر نہیں چاہیے۔"

اب "درین" چونکی۔

"میں ہر چیز چھوڑ سکتا ہوں، تم سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔"

وہ اسے اپنے اب میں شامل کر چکا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی، وہ کتنی دیر خود کو چھپائے رکھتی ہجر سرگوشیاں کرنے لگا تھا۔

"اکیلے اکیلے ہی سودا کر لیا، مجھ سے مشورہ کرتے۔ ہم مل بیٹھ کے کوئی سبیل نکال لیتے، تو کچھ بچا ہی لیتے۔" وہ نہایت تردد سے مقابل نے بھی خاموشی تردد کے ساتھ ہی برقرار

"تم رئیس کو جانتے ہو۔ تم حور کے شوہر کو جانتے، وہ تمہیں کنگال کر دے گا۔" جانے کیوں وہ درین کا صدقہ اتارنے والے کو آنکھ جھپکے بغیر چاہتی تھی اور وہ شخص ان آنکھوں کے ارتکاز خوف زدہ ہو رہا تھا۔

"ایک تم ہمیشہ میرے ساتھ رہنا، مجھے

زمین جائداد کی پروا نہیں۔"

وہ سوائے اس کے ہر ایک سے بے پروا ہو رہا تھا۔ وہ خاقان بن رہا تھا جو اپنی ہی نسل کا زوال تھا۔

"اپناب کچھ مجھ پر وار کے کیسری کے محبوب بن جاؤ گے۔" اسے الہام سا ہوا، جیسے وہ واپسی کی راہ پر قدم رکھنے والی تھی۔

"تم صرف کیسری کے محبوب کو جانتے ہو، کیسری کو نہیں جانتے۔ خاقان سے کوئی نفرت نہیں کرتا، ہر آفت پر کیسری کو پکارا جاتا ہے ہر پکار پر اسے ہی منہ چھپانا پڑتا ہے۔ تم ابھی بھوکا رہنے کے ارادے باندھ رہے ہو۔ راجپوتوں نے بھوک کو جھیلا ہے، برداشت کیا ہے، ارادے باندھنا اور جھیلنا دو الگ چیزیں ہیں۔ میں چاہتی ہوں، حسام، حسام ہی رہے۔"

وہ پھر سے مسکرائی۔

وہ کیا کہہ رہی تھی، وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ خوش ہوا، وہ ہراساں ہوا۔

"دیکھو بچھڑنے کی بات مت کرنا۔ میں ڈر گیا تھا۔ میں مر بھی سکتا ہوں۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ ایک جھٹکے سے چھڑائے۔ ہجر کا جادو ٹونا کرتی، وہ ہوا اس کا دامن چھونا چاہتی تھی۔ وہ اس سے قدم قدم دور ہو، وہ اسے اپنے قریب کیسے کر سکتا تھا۔

☆☆☆

وہ گھر آئی تو اس کی چال میں اتراہٹ تھی، اس کے ہاتھ ہجر کی دف بجا بجا کے آئے تھے اور وہ عجب لگی وصال کے گیتوں کی مانند دکھ رہی تھی۔ مغربی دیوار کے ساتھ لگی کیسری نے اسے اچنبھے سے دیکھا، اس نے درین کو اپنے پاس آتے دیکھا۔ وہ اس کے بہت قریب آ کے ٹھہر گئی۔

"تم نے کہا تھا نا، میں نے اپنا ہار سنگھار ناحق کیا۔ کیا کروں کوئی بھی دوسرا خاقان نہیں ہو سکتا۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کے بولی اس نے اس کے ہاتھ پہلوؤں پر رکھے۔ اس کی آنکھوں کی [illegible] تھی۔

"تم نے غلط کہا تھا۔" وہ ایک فاتح کی طرح مسکرائی، وہ بالکل سیدھی گردن کے ساتھ مغرور دکھ رہی تھی۔ کوئی اس کے عشق میں خاقان ہو چکا تھا۔

"خاقان بس ایک زوال ہے لڑکی!" کیسری کی چبھتی آواز نے اس کی بے خودی کا دائرہ پاٹنا چاہا مگر وہاں رقص کی لے نہ ٹوٹی کہ درین اپنی کہانی سے ان دو کرداروں کو نکال چکی تھی جیسے وہ پنوں کی زندگی سے صحرا چھاننے والے اونٹوں کو نکال چکی تھی۔ جیسے وہ گڑیا کی زندگی سے کسی کو نکالنا چاہتی تھی۔ اب وہ صرف درین تھی، وہ محبت میں ہیر ہوئی نہ رانجھا۔ اس کی محبت نے امیر خسرو کا کلام اوڑھ لیا تھا اب وہ ایک صوفی کا کلام تھی، اسے کسی زوال کا حصہ نہیں بننا تھا۔

وہ رقص وصال میں تھی کہ رقص ہجر میں یہ صرف تقدیر جانتی تھی۔ کیسری نے محبوب سے بچھڑنے کے بعد روتے ہوئے تو بارہا رقص کیا تھا۔ آج پہلی بار ایسا تھا کہ وہ رقص دیکھتے ہوئے رو رہی تھی۔

☆☆☆

آج کل وہ گھر آتا تھا تو اس کے باپ کے حقے کی گڑگڑاہٹ عشقیہ قصیدے پڑھ رہی ہوتی تھی۔ آخر دو چار دنوں تک رئیس باپ کی اچھی خاصی زمین کا دوبارہ مالک بننے والا تھا۔ ایسے میں پنوں اپنی ماں کا مرجھایا چہرہ دیکھ کے پریشان نہیں ہوتا تھا۔ اسے راجپوتوں کے قصیدے پڑھتی ماں کی تلخ آواز بھی پریشان نہیں کرتی تھی۔ اگر کوئی چیز اسے پریشان کرتی تھی تو وہ درین کی خاموشی تھی۔

آج وہ گھر آیا تو ششدر ہوا۔ آج اس کے باپ کا ٹھنڈا پڑا حقہ جیسے نوحے پڑھ رہا تھا۔ پنوں کا دل عجب طرز سے دھڑکا یعنی درین کی خاموشی ٹوٹ چکی تھی اور درین کے فیصلے نے رئیس کو اس گھر سے دوبارہ لاتعلق کر دیا تھا۔

"اب کوئی شرط رکھی جائے گی، نہ کوئی سودا ہوگا۔ اب میں تجھے حسام کے ساتھ صرف عزت اور وقار کے ساتھ رخصت کروں گی، مجھے رئیس کی کسی دھمکی کی پروا نہیں۔" آج نور اس کی ماں چمک چمک

کے گرج رہی تھیں۔

پنوں کے قدم زمین میں گڑ گئے، اندر ایک ابال سا اٹھا، اس کی ماں درین کو کیسی پٹیاں پڑھا رہی تھی۔

"یہ راجپوت جائیں بھاڑ میں۔ انہوں نے تمہیں ایک چھت کے علاوہ دیا ہی کیا ہے۔ ارے ان کو تو اپنی عزت خاک میں ملانے کی لت پڑی ہوئی ہے۔ سو پنوں کا چڑھایا کوئی بھی چاند دنیا کے لیے نیا نہیں ہوگا۔ تم صرف اپنا بھلا سوچو درین!"

آج سے قبل نور، درین سے پنوں کے حق میں فیصلہ چاہتی تھی مگر آج اس لڑکی کی قربانی نے اس کے اندر ایک ممتا سی جگا دی تھی کہ حسام جیسے رشتے کو ٹھکرانا دل گردے کا کام تھا۔ نور نے مرچوں کا آدھا ڈبا تسلے میں انڈیلا، وہ مرچیں جیسے پنوں کی آنکھوں میں جھونکی گئی تھیں۔

"یہ کیسی ماں ہے۔" وہ غصے سے کھولتا آگے بڑھا۔

"جب عورت صرف اپنا بھلا سوچتی ہے نا تو وہ شاہینہ (درین کی ماں) بن جاتی ہے۔ جب عورت صرف اپنا سوچتی ہے تو وہ گڑیا کو بھول کے نسی بن جاتی ہے۔ عورت صرف محبت ہی تو نہیں ہوتی، وہ ایک بیٹی بھی ہوتی ہے بچی۔"

ان کے عقب میں کھڑا پنوں جیسے وہیں جم گیا۔

"میں نے اس گھر میں تین عورتوں کے ساتھ زندگی گزاری۔ میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔" وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئی۔ نور نے اسے الجھ کے دیکھا۔

"دادی کے پاس صرف اچھے وقت کے قصے تھے، وہ اپنے حال پر مسکرائیں نہ انہوں نے کسی اور کو مسکرانے کا موقع دیا۔ مگر درین نے اس گھر میں رچی بسی اچار کی مہک سے سیکھا کہ عورت نور بھی تو ہوتی ہے۔ درین نے ہمیشہ نور سے محبت کی۔"

اس نے نور کے کٹ لگے مرچ زدہ ہاتھوں کو چوما پھر انہیں آنکھوں سے لگایا۔ پنوں نے اس منظر سے نگاہ چرائی۔

"آپ مجھے تعویذ گھلی چائے پلاتی رہیے گا۔ میں اسے بھول جاؤں گی۔"

اس کی آنکھوں سے بہنے والا پانی دکھ نہیں تھا، اس کی آنکھوں میں مرچیں چبھی تھیں۔ نور نے اسے تڑپ کے دیکھا۔

"تم جانتی ہو، میرے تعویذ چائے میں گھلتے ہی بے اثر ہو جاتے ہیں۔" وہ بکھر کے مسکرائیں۔

"مگر ایک راجپوت عورت پر ان تعویذوں کا اثر ضرور ہوگا بچی۔" اس نے نور کا ہاتھ چہرے پر رکھا۔

پنوں نے وہاں کھڑے کھڑے غائب ہو جانا چاہا۔

"درین! میری جان! تم سب کچھ چھوڑ کے اپنی ماں کے پاس چلی جاؤ۔"

نور نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹا جس کا سر نفی کی صورت ہل رہا تھا۔

"کچھ فیصلے راجپوت مردوں نے کیے جس کے نتیجے میں ہم عورتیں وقت کے اچھے گھرانوں شکار کے نکال دی گئیں۔ آج فیصلہ ایک راجپوت عورت پر آیا ہے، جسے ثابت کرنا ہوگا کہ عورت صرف خواہشوں کی نہیں نسلوں کی بھی امین ہوتی ہے۔"

کا وجود نم لیکن آواز خشک تھی، ان دونوں عورتوں نگاہ ہٹاتا پنوں کبھی سر اٹھا کے اس لڑکی کا سامنا کر سکتا تھا جو اپنے ساتھ بیٹھی پنوں کی ماں کو بس دیکھنا چاہتی تھی کہ درین اس نور نامی عورت کو بے چاہتی تھی۔

نور اس کی ہر بات سمجھ رہی تھیں مگر ایک بات پر ان کا ذہن الجھ گیا تھا کہ اس گھر میں ان کے ساتھ رہنے والی تیسری عورت کون تھی، لیکن الٹے قدموں واپس جاتا پنوں یہ راز جانتا تھا مگر اس لمحے وہ بھی حق دق تھا کہ آخر درین نے اس رقاصہ سے کیا سیکھا۔ وہ رقاصہ جسے کل شب درین نے مغربی دیوار کے ساتھ غروب ہوتا دیکھا تھا۔

☆☆☆

اس کالونی میں طے پایا جانے والا یہ پہلا رشتہ تھا جس کی مٹھائی خوشی سے زیادہ حیرت کے ساتھ کھائی گئی اور نفسا نفسی کے اس دور میں جینے والے

مٹھائی کو ہضم کرنا مشکل تھا۔ درین نے اپنے فیصلے سے اس حقیقت کو جھٹلا دیا تھا کہ عزت صرف اس عورت کی ہوتی ہے جس کے گھر کے مرد دکھوں کماتے ہیں۔ وہاں ہر گھر میں اس بات پر بحث کی گئی۔ دکانوں پر اور محلوں پر صاحب نظر لوگوں نے دلائل سے ثابت کیا کہ "دیکھو اچھے گھرانے کی عورت کبھی بھی حال میں اپنی اقدار و روایات کا سودا نہیں کرتی۔"

ان کی گلی کی وہ رہائشی خواتین جو عیاش راجپوتوں کی اجاڑ پھینکی عورتوں کو منہ لگانا گوارا نہیں کرتی تھیں۔ اب سکینہ کو رئیس کے گھر جاتا دیکھتیں تو بہانے سے اس کے ہمراہ ہو لیتیں۔ وہ اب درین کو رشک آور نظر سے دیکھتیں جس نے کسمپرسی کی حالت میں بھی لاکھوں میں کھیلتے حسام کو ٹھکرا دیا تھا۔ دوسری طرف بقول رئیس کے ان لوہا کوٹنے والوں کی حالت اب سونا کوٹنے والوں جیسی تھی۔ آخر وہ عہدے داروں کے مقابلے میں چن لیے گئے تھے۔

خاندان کی نسل کا اکلوتا وارث آج بھی ہر فکر سے آزاد اپنی خوشی میں مسرور تھا۔ جو کل تک سمجھتا تھا کہ وہ درین سے نگاہ کس طرح ملائے گا، اب اس کے اندر اس ازلی راجپوت سوچ نے سر اٹھا لیا تھا کہ وہ تعلیم و تربیت ہی کیا جہاں عورت کی گھٹی میں قربانی اور سمجھوتا نہ ڈالا جاتا ہو۔ اب اس کے سامنے بات بے بات ہنستا نہ جانے کتنی مٹھائی کھا جاتا۔ ایسے میں وہ درین کے منہ میں بھی ایک دم مٹھائی ٹھونستا۔ کبھی جان نہیں سکا تھا کہ اس لڑکی کے منہ میں جاتے ہی وہ لڈو کڑوی نمولیوں میں ڈھل جاتے تھے۔

بس ایک نور تھیں جنہیں خود غرضی کا احساس چھو کے لگا تا تھا۔ اب انہوں نے گھر کے وہ ڈبے خالی کر دیے تھے جن میں وہ تعویذ رکھتی تھیں مگر درین اپنا جائے میں ان تعویذوں کا ذائقہ تلاشتی جسے پی کے وہ کسی کو بھول جانا چاہتی تھی۔

چند روز قبل سکینہ کے گھر سے آئی بیش قیمت مٹھائی امان ولا میں بھی یقیناً تشکر کے ساتھ نوش کی جاتی، آخر ان کے سر سے بلا جو ٹلی تھی۔ مگر برا یہ ہوا کہ مٹھائی حسام کی موجودگی میں آگئی۔ اس خبر کو سننے کے بعد اس کی کیفیت یوں تھی کہ کوئی مجھے سانس لینے کا ڈھنگ بتائے گا۔

اس کی متوحش حالت کے تحت اس کے ماں باپ نے دم سادھ لیا تھا۔ وہاں دادی وہ واحد فرد تھیں جن کے چہرے نے آج کئی دنوں بعد معمول کا رنگ پکڑا تھا۔ انہوں نے حسام کے غائب ہوتے ہی مٹھائی کا ڈبا کھولا اور منہ میں گلاب جامن رکھتے ہوئے ساکت بیٹھی بہو پر ایک جتاتی نگاہ ڈالی کہ "دیکھو بھلے راجپوتوں کی جائیداد ٹکڑا ٹکڑا ہو کے بک گئی مگر ان کی عورتوں نے اپنا وقار ہمیشہ سنبھال کے رکھا۔"

اب ہر گزرتے دن کے ساتھ زرقا پر یہ حقیقت واضح ہو رہی تھی کہ اس لڑکی نے اس کے بیٹے سے سب کچھ چھین لیا تھا۔ ان دنوں حسام کی حالت مفلسوں سے بھی بدتر تھی۔

حالت تو دادی کی بھی ٹھیک نہیں تھی اگرچہ انہیں درین پر خرید و فروخت جیسا طعنہ برداشت نہیں تھا مگر اب اس کا یہ فیصلہ بھی دل چیر رہا تھا۔ اس برداشت کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے دن ہی دادی سینہ مسلتی ہوئی ہاسپٹل پہنچ چکی تھیں۔

☆☆☆

درین نے خود پر پہرے لگائے تھے نہ ہی اس نے اپنا فون آف کیا تھا۔ وہ اس شخص کی ہر تکرار سننے کو تیار تھی لیکن جانے کیوں حسام کے لبوں نے جامد خاموشی اوڑھ لی تھی۔ درین کے لیے ہمیشہ اس گھر کا فاصلہ طے کرنا دشوار رہا تھا مگر آج دادی کی عیادت کو آتے ہوئے اس کا انداز پہلی بار بدلا ہوا تھا۔ وہ ان کی راجدھانی ٹھکرا چکی تھی۔ آج وہاں زرقا کی حالت غیر تھی، دادی سامنے ہی تخت پر لیٹی تھیں۔ درین کے حواسوں پر کئی روز سے طاری بے حسی ایک ریشم کی طرح سرکی کہ وہ بھی سامنے ہی بیٹھا تھا۔ وہ بس چند لمحے نگاہ ملانے میں متامل ہوئی کہ وہ

ایک سنگ دل نسل سے تھی اور اس شخص کے چہرے پر چھایا سناٹا قابل رحم تھا پھر اس نے حسام کے چہرے پر چھائے سناٹے کو بولتے دیکھا اور جب وہ نگاہ ملتے ہی سہولت سے مسکرایا تو وہ بے طرح چونکی۔ اگر وہ فریش نہیں تھا تو اس وقت ڈسٹرب بھی نہیں تھا۔

''نصیب ان کے کہ وہ ہمارے روبرو۔''

وہ اپنے مخصوص انداز سے مسکرایا تو درین نے جز بز سا ہوتے ہوئے ایک گہرا سانس بھرا۔ صد شکر کہ زرقا چچی وہاں نہیں تھیں، دادی نے ان دونوں پر ایک افسردہ نگاہ ڈالی۔

اس نے حسام کو کن انکھیوں سے دیکھا جو ہنوز مسکرا رہا تھا اور وہ اس کے کمال اطمینان پر اندر سے ہول رہی تھی۔

''مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ میری درین اتنی سیانی کب ہوئی، کہ زندگی کے سارے قرینے سیکھ گئی۔'' اس کی توجہ بٹی۔ اس نے دادی کی طرف دیکھا جن کے نحیف ہاتھ اس کا چہرہ چھو رہے تھے، حسام نے دادی کی بات پر تکلیف سے پہلو بدلا۔

''یہ کب سمجھ دار ہوئی۔'' وہ اٹھ کے ان کے قریب آیا۔ ''یہ اب بھی اتنی ہی بے وقوف ہے دادی! پہلے یہ خرگوش چرا کر ان سے کھیلتی تھی، اب یہ بڑی بڑی چوریاں کرتی ہے۔'' وہ ایک بار پھر ہنسا۔

درین کے چہرے کا رنگ بدلا۔

''یہ آج بھی احمقانہ فیصلے کرتی ہے جن کی کوئی ویلیو ہی نہیں۔'' حسام نے دادی کی شاکی نگاہوں کو نظر انداز کیا اور ان کے سامنے پڑی پلیٹ سے سیب کی ایک قاش اٹھائی۔ اس نے درین کی اڑی رنگت کو نہایت محظوظ ہو کے دیکھا۔ وہ چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

وہ شخص کیا سوچے بیٹھا تھا، اس کی کچھ جتاتی نگاہیں درین کو تیز بستگی میں جھونک رہی تھیں۔ دادی جانے کیا کہہ رہی تھیں، کڑوی اور بدرنگ دیواروں میں پلنے والی اس لڑکی کو زرقا چچی آج اتنے غور سے کیوں دیکھ رہی تھیں۔ اس نے اپنے سامنے رکھے فریش جوس کو بے یقینی سے دیکھا پھر اس کی نگاہ سیڑھیاں چڑھتے حسام پر گئی جس کے سکون میں وحشت تھی لیکن اس دشت میں ابھی ایک میلہ سا لگا تھا۔

☆☆☆

''مانا کہ دشمنوں کا اچھا وقت برداشت نہیں ہوتا مگر اتنا دکھ، اتنی بے چینی......'' وہ کسی کی بھی پروا کیے بغیر جس طرح اس کے پیچھے کمرے میں آئی تھی، وہ حسام کے لیے حیران کن تھا۔

''تم کیا کرنے والے ہو حسام؟'' وہ اس کو نظر انداز کرتی سپاٹ آواز میں بولی تو لہجے میں ایک عجب سا سہم تھا۔ وہ اس کے اس انداز پر بھڑک اٹھا۔

''مجھ پر تیل چھڑک کے ایک شعلہ پھینک دیا ہوتا یا کسی کنویں میں دھکا دے دینا تھا مگر کسی کو مارنے کا یہ کون سا طریقہ ہے کہ ہر لمحہ ہی مارتا ہے۔'' وہ ... مچل کے مسکرایا۔ ''میرے ساتھ ایسا مت کرو یار۔'' اس نے التجا کی۔ وہ ایک خالی ہاتھ انسان کی طرح ... اس فقیر کو دیکھتی رہ گئی۔

''تم جانتی ہو نا، مجھے اس ہوا سے بھی رقابت ہوتی ہے جو تمہیں چھو کر گزرتی ہے۔ تو پھر میں تمہیں کسی اور کا کیسے ہونے دوں۔''

''اگر درین بھی من مانی کرے گی تو ... خسارے کا حساب کون رکھے گا جو اس کی نسل کے تعاقب میں ہے۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''میرے دل میں جو تمہاری جگہ ہے وہاں صرف تم ہی رہو گے۔'' وہ ایک قیمتی تسلی تھی جو سننے والے نے فوری رد کی۔

''میں تمہارے اندر یا باہر برباد بن کے نہیں رہنا چاہتا۔ مجھے اپنی لفاظی سے مت بھٹکاؤ۔'' اس کا مزاج پتھریلا ہوا۔

''میں کیا کروں حسام! مجھے اب ہر جگہ خانان ... نظر آتا ہے۔'' وہ اپنی سیاہ پلکیں جھپک کے دوسرے

مطلب ہی کمزارہ گیا۔ وہ پھر سے

میرے پاس تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں، اتنی ...... میں ...... میرا دل اتنا مضبوط نہیں ہے

''اس لڑکی نے زور سے آنکھیں ... میں صرف محبت نہیں ہوں حسام! میں درین ... مجھے قسمت نے تالی بجانے کا موقع دیا ... تالی بجاؤں گی۔ تم دیکھنا کہ پنوں کے گھر ... قدیم ڈولیاں، ادب سے جھکتی کنیزیں، ... کھڑے کہار، وہ گزر چکا اچھا وقت ...... درین ... بجاتے ہی وہ سب حاضر ہو جائے گا۔'' وہ ... مرنے کے قریب تھا۔ وہ تو اس کی کسی ... تھا ہی نہیں، جیسے وہ خود اپنی ہر بات سے آج ... اسے ہر جگہ خاتان نظر آرہا تھا وہ اسے تادیر ... اس نے ہر ممکن کوشش کی اور مسکرانے میں ... جو توڑ پھوڑ حسام کے اندر —— ہوئی تھی ... اندازہ لگانا بھی ناممکن تھا۔ اس نے مسکرانے کی کوشش تک نہیں کی۔

☆☆☆

''سلامی میں گاڑی بھی پنوں کو مل رہی ہے، ... اس کو سیٹ کروا کے دیا جائے گا۔ مرضی ... کی پوری ہو رہی ہے اور درین کے حصے میں ... ذات کی قربانی آئی۔''

آج کل گلی محلے میں تقریباً ایسی ہی باتیں ہوتی تھیں اور آج جب سکینہ کے گھر چار عورتیں مل بیٹھیں تو ایک منہ پھٹ ہمسائی نے یہی بات سکینہ کے منہ پر کہہ دی۔ سکینہ کس حد تک تلملائی تھی، یہ وہی جانتی تھی۔

''ہائے ہائے ...... قربانی کاہے کی ...... ارے محبت کرنے سے پہلے ذرا سوچ ہی لیتا ہے۔'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

ڈائننگ روم میں حساب کتاب کرتا شاہد ماں کی آواز سے بے زار ہوا۔ جو روز بھانت بھانت کی عورتوں کے سامنے عجیب و غریب دکھڑے روتی تھی۔

''میرے بیٹے میں کون سی خامیاں ہیں اور اس لڑکی میں کون سے ہیرے جواہرات جڑے ہیں۔ میں نے تو دل بڑا کیا اور بیٹے کی مرضی پر آمین کہہ دیا، ورنہ مجھے رشتوں کی کمی نہیں تھی۔''

شاہد کڑھنے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا، اس کی ماں ایک کم سوچ کی عورت تھی۔

''یہ ہیرے جواہرات والی بات بھی تم نے خوب کی سکینہ! درین تو ان سے بھی قیمتی سوچ کی مالک ہے۔'' محلے کی ایک بھلی مانس عورت نے اسے جواب دینا ضروری سمجھا۔ ''اس نے اپنی نسل اور اصل کی ہمیشہ لاج رکھی۔ چچا کے گھر روکھی سوکھی پر بھی گزارا کیا، اس نے کسی بھی حالت میں پلٹ کے ماں کو دیکھا نہ پکارا۔ پنوں کی تعلیم بھی اپنے جیب خرچ سے اور ٹیوشنز پڑھا کے مکمل کروائی۔ وہ اتنی اچھی ہے کہ خود نور نے اسے حسام کے رشتے کے لیے بہترا رضا مند کیا مگر وہ اپنے ارادوں کی پختہ نکلی۔ ایسی بیٹیاں کسی گھر میں پیدا ہوں تو نسلیں سنور جاتی ہیں۔''

اگرچہ شاہد حسام کے ذکر پر کسمسایا تھا مگر اس خاتون کی آخری بات نے اسے ایک پرملال سانس لینے پر مجبور کیا۔

''یہ درین ہی تھی جس نے گڑیا کے معاملے کو سنبھالے رکھا ورنہ آج صورت حال اور ہوتی۔''

''اب ایک ہی طرف کے گن مت گاؤ زبیدہ! سکینہ کا بھی کم جگرا نہیں۔ جس کی بہو جہیز کے بجائے حسام نام کی کہانیاں ساتھ لا رہی ہے۔'' شاہد کا قلم کانپا اور حساب کتاب کے تانے بانے بنتا ذہن اچانک خالی ہوا۔

''ارے جو لڑکی بابل کی گلیوں میں اپنے دیوانے متوالے چھوڑ آتی ہے تو ایسی صورت حال سسرال کے لیے حلق کا کانٹا بن جاتی ہے۔'' ایک چاپلوس اور حاسد عورت نے مٹھائی سے انصاف کرتے ہوئے سکینہ کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کی۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' شاہد نے کاپی ٹھک سے بند کی۔ ''یہ دھوبے ڈالنے جیسا شیطانی کام کلمہ پڑھنے والی عورتوں نے خوب اپنے ذمے لے رکھا ہے۔'' اس نے گریبان کا اوپری بٹن تھمے سے بند کیا جبکہ لاؤنج میں وہ عورت اپنا سلسلہ کلام جاری رکھے ہوئے تھی۔

''اور یہ تو سامنے کی بات ہے کہ سکینہ اپنی لاڈلی ایسے خاندان میں بیاہ رہی ہے جن کا کچھ بھروسا نہیں۔ خدانا خواستہ کل کلاں کو بچوں اپنے پرکھوں کی طرح سب بیچ باچ کے کھا گیا تو سکینہ ہاتھ ملنے کے سوا کیا کرسکتی ہے۔ ہائے میرے منہ میں خاک۔''

سکینہ نے اس کی بات پر بھنویں چڑھائیں۔

''ارے بی بی! میں اتنی سیدھی اور بھولی نہیں ہوں۔ مانا کہ بچوں کے فیصلے میں نے طوعاً کرہاً برداشت کرلیے لیکن اب باقی زندگی میں ان سے اپنے فیصلے اپنی ہتھیلی پر زہر رکھ کے منواؤں گی۔''

''توبہ ہے اماں!'' شاہد نے اپنے سامنے پڑی چپل کو ادھر ادھر تلاش کیا۔

''میں نے بھی فیصلہ کرلیا ہے کہ درین ہمیشہ یہاں میرے پاس رہے گی، سو گزیا ہو رئیس کے گھر جتنے نوالے کھائے گی، میں بھی درین کو اتنے ہی نوالے کھلاؤں گی۔''

اف شاہد کی نگاہوں نے درین کا سادہ سا حلیہ یاد کیا، اس کی ماں اس جیسی پیاری لڑکی کے لیے کس قدر خطرناک منصوبے تعمیر کررہی تھی۔

''اور جہاں تک بابل کی گلیوں میں جانے کی بات ہے تو درین شادی کے بعد وہاں کاہے کو جائے گی جہاں اس کا کوئی بھائی نہ بہن، نہ ماں، نہ بابل۔''

وہ غصے سے ہنسی۔ اس کا بیٹا گہرے تاسف میں جلتا ہوا، اس کی ماں اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی جو اس کے بیٹے کو سکتہ زدہ کررہا تھا۔ کیا اس کی ماں کو ایسی گفتگو آس پڑوس کی عورتوں سے کرنا زیب دیتا تھا۔

☆☆☆

گو کہ امان نے حسام کو بلانے کا حکم ٹھنڈے لہجے میں دیا تھا مگر ان کے چہرے پر دبا غیض بتا رہا تھا کہ بات عام نہیں۔ شوہر کی اس کیفیت پر زرینہ ڈھیروں پریشان ہوئی۔

''بتائیں تو سہی، آخر ہوا کیا ہے؟'' اس نے انتہائی بے قراری سے پوچھا۔ دوسری طرف دادی کی خاموشی میں بھی ایسی ہی بے قراری پنہاں تھی۔

وہ سب کو سلام کرنے کے بعد اپنی مخصوص نشست پر بیٹھا۔

''اس سے پوچھیں کہ یہ رئیس سے ملنے کیوں جاتا ہے؟'' امان ماں سے مخاطب ہوئے۔

''میں نے جو تماشا لگایا، اپنا لگایا، اس میں کسی کا کیا نقصان؟'' وہ ہنسا۔

''تم کسی درخت پر نہیں اگے تھے کہ تمہارا تماشا صرف تمہارا ہی تھا۔'' امان کا لہجہ تلخ تھا۔ ''مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تمہارے اور رئیس کے بیچ کیا چل رہا ہے جبکہ شادی میں کچھ ہی دن باقی ہیں۔''

باپ کے آخری جملے نے دل کو آگ میں جھونکا تھا۔

''پہلے بھی اس نے کم تماشے نہیں لگائے، اب یہ مزید کیا چاہتا ہے۔''

''میں خود نہیں گیا تھا، چچا نے مجھے بلایا تھا۔ وہ اپنی تمام شرائط پر شرمندہ تھا، وہ درین کی وہاں شادی پر رضامند نہیں ہے۔ وہ ایسا کسی صورت نہیں چاہتا تو.........''

''تم نے یہ بات ہمیں کیوں نہیں بتائی حسام؟'' دادی نے اس کی بات کاٹ کر پاؤں اضطراری حالت میں تخت سے نیچے لٹکائے، جیسے وہ کہیں بھاگ جانا چاہتی ہوں۔

''میرے یا چچا کے چاہنے سے کیا ہوتا دادی۔'' وہ رکا، اس نے آنکھیں بند کیں، وہ ہنسا۔ اسے یک ٹک دیکھتے سب چہروں نے رنگ بدلے۔

''اسے حسام سے کچھ غرض نہیں، اس نے مجھے ٹھکرا دیا۔ اسے صرف خاتان کی نسل پیاری ہے۔ اسے بچوں کی پروا ہے، اسے صرف اپنے خاندان کی پڑی ہوئی ہے، سو ہر کوئی بے فکر ہوجائے۔ اب کوئی

تماشا نہیں لگے گا۔'' وہ رکا کہ ''اس کے نزدیک اس خالص آوارہ کی کوئی حیثیت ہے نا اہمیت۔'' اس نے سر کو ہلکا سا جھٹکا وہ پھر ہنسا۔

وہاں موجود ہر نفس ایک گہری تکلیف میں مبتلا ہوا۔ وہ رکا کس بات پر تھا، وہ تڑپا کس بات پر تھا، وہ ہنسا کس بات پر تھا۔

☆☆☆

''ارے اس کی ساس نے محلے بھر کی عورتوں کے سامنے جو بکواس کی، وہ نظر انداز ہو سکتی ہے۔'' اس نے ذرا دور کھڑے پنوں پر انگلی تانی۔

''میں جا کے پوچھوں تو کہ اس نے کس گمان میں ہماری بچی کو لاوارث سمجھا، توبہ توبہ۔'' پنوں نے کان چھوٹی ماں کو سٹپٹا کے دیکھا۔ کوئی بھی بات کرتے ہوئے اس کی ساس کا دل کہاں دہلتا تھا، وہ یہ حقیقت خوب جانتا تھا مگر اس وقت شاہد سے بات کرتے پنوں کا دل بری طرح ڈولا کہ اس کی ماں کی تیز آواز دوسرے چوک تک سنائی دے رہی ہوگی۔

''میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔'' اس نے مارے بوکھلاہٹ کے کال کاٹے بنا فون چارپائی پر پھینکا۔

وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ دوسرا فریق ابھی لائن پر موجود تھا، جو گھر کے پورچ میں کھڑا جسم سماعت بن چکا تھا۔

نور نے چارپائی پر پڑی چادر اٹھائی تو درین بوکھلا کے اس کی طرف آئی۔

''آپ خالہ سکینہ کے مزاج سے واقف تو ہیں اور پھر یہ وقت بات بڑھانے کا نہیں ہے چچی۔'' اس نے نور کے ہاتھ سے چادر لیتے ہوئے اک نرم سی التجا کی۔ شاہد نے سانس روک کے نگاہ جھکائی، جیسے وہ اس کے سامنے کھڑی ہو۔

''وہ کیسے کہہ سکتی ہے کہ درین کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ یہ بات میرا دل چیر رہی ہے درین!'' نور نے جز بز ہوتے پنوں پر قاتل نگاہ ڈالی جس کی وجہ سے انہیں یہ رشتے داریاں گانٹھنی پڑی تھیں۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خالہ سکینہ نے یہ بات اور رنگ میں کی ہو اور آپ کو بتانے والی نے اور رنگ چڑھا دیا ہو۔'' وہ اکھڑے سے لہجے میں بولا اور خواہ مخواہ دائیں بائیں دیکھا، جانتا تھا کہ جھوٹ بول رہا ہے۔

''پنوں سچ کہہ رہا ہے چچی۔'' درین نے پنوں کو ترچھی نظر سے دیکھتے ہوئے نور کا ہاتھ تھاما۔ ''اور آپ بھی اپنے ذہن سے وہموں کو نکال دیں۔ میری شادی جس سے ہو رہی ہے وہ بہت اچھا انسان ہے۔''

''اف۔'' شاہد کے پاؤں پر جیسے بھڑ نے کاٹا۔

''وہ میری زندگی میں کبھی کچھ غلط نہیں ہونے دے گا، مجھے اس پر یقین ہے۔'' وہ نور کا ہاتھ دبا کے مسکرائی۔ دوسری طرف سانس روک کے کھڑے شاہد کو اس کے پر یقین مسکراتے لہجے نے کیسے نہ خاک کیا تھا۔

☆☆☆

''ابا میاں اور خانان خان میں جس قدر محبت تھی، اب کوئی اس کا یقین کر سکتا ہے، نہ اندازہ لگا سکتا ہے۔'' امان نے فوٹو البم بند کرتے ہوئے سائڈ پر رکھا، انہوں نے چند الجھے الجھے سے سانس لیے، انہوں نے بیڈ کی دوسری جانب بیٹھی بیوی کی جانب دیکھنے سے دانستہ گریز برتا۔ وہ جانتے تھے کہ تسبیح پڑھتی زرقا دوپٹے کی اوٹ میں آنسو بہا رہی ہے۔

''بیڑا غرق ہو ان حاسدوں کا جنہوں نے رئیس کے دماغ میں شک کا خناس ڈالا ورنہ راجپوت اور جٹ تو ہم پیالہ اور ہم نوالہ تھے۔'' انہوں نے بات مکمل کرنے کے بعد سانس لیا تو سینے میں تکلیف سی محسوس ہوئی۔ زرقا نے آنسو پونچھے پھر چہرہ موڑ کے شوہر کو دیکھا شاید وہ جو کہنا چاہتے تھے اس کا اظہار نہیں کر پا رہے تھے۔ خود زرقا کی حالت بھی دن بدن بیٹے کی حالت کے ساتھ دگرگوں ہو رہی تھی جو یوں خاموش ہو چکا تھا جیسے زندگی بھر ہی خاموش ہی رہے گا۔ وہاں سامنے والے گھر سے گانوں کی آواز آ رہی

تھی، لڑکیاں بالیاں گوری کرت سنگھار گا رہی تھیں،

اماں نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی۔

"جانے کیوں آج مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ شاید احساس برتری میں یا پھر ریمس کی ضد میں آ کر ہم نے ہمیشہ نور بھابھی اور درین کے ساتھ غلط رویہ رکھا۔ ان سے ناحق فاصلہ رکھا ورنہ درین جیسی لڑکی آج ہمارا مقدر ہوتی اور......" وہ لب بھینچ کے خاموش ہوا۔

ایک لفظ "اور" نے زرقا کی نگاہ شوہر پر فوکس رکھی، وہ مزید کیا کہنا چاہتے تھے۔

امان نے پہلو بدل کے سائڈ میز سے پانی کا گلاس اٹھانا چاہا مگر ان کا ہاتھ کپکپا کے رہ گیا، انہوں نے گہرے سانس لیے۔ ان کا چہرہ پسینے سے تر بتر اور ہونٹ نیلے ہو رہے تھے۔

زرقا نے گھبرا کے شوہر کا ماتھا چھوا، اس کا ہاتھ ٹھنڈا پسینہ چھوتے ہی لرزا۔ اگلے لمحے وہ ننگے پاؤں باہر دوڑی۔

☆☆☆

تقریباً دوپہر ڈھلنے کو تھی، جب درین کو امان کی طبیعت کی خرابی کا پتا چلا۔ اس نے پہلے کال دادی کو ملائی جن کا نمبر بند جا رہا تھا جو بار بار ملانے پر بھی بند ہی ملا۔ جب اس کی بے چینی حد سے سوا ہوئی تو اس نے تھک ہار کر حسام کو میسج کیا۔ اس کا دل بند ہوا تھا، کیا وہ بیاباں ہوئی تھی؟ اس شخص نے اسے اتنی جلدی بلاک کر دیا تھا۔ واٹس ایپ پر، کالز پر، میسجز پر...... وہ اسے ہر جگہ بلاک کر چکا تھا، وہ ایسا کیسے کر سکتا تھا۔ وہ اتنا ظالم کیسے ہو سکتا تھا، اس نے اپنے گریبان میں جھانکے بنا سوچا، وہ کتنی ہی دیر جلے پیر کی بلی کی طرح بے جواز گھومتی رہی اور گھر کے کام کاج نمٹاتی، نور اسے نابینا کی طرح بس محسوس کرتی رہی۔

اس کے اندر اتنا شور تھا کہ وہ اکیلی بھی ایک ہنگامہ برپا کر سکتی تھی، ایک بھگدڑ مچا سکتی تھی۔

☆☆☆

بنو اماں نے کمرے سے باہر آتے ہی صحن میں نگاہ دوڑائی۔ اسے سامنے کے منظر نے حیران کیا، اس کی ماں چادر لپیٹے کہیں جانے کو تیار تھی اور درین برآمدے میں اپنا دوپٹہ استری کر رہی تھی۔ آج رات اس گھر میں مہندی کا فنکشن تھا اور اس وقت گھر میں ہو کا عالم تھا۔

"لوگوں کے گھروں میں شادیاں ہوتی ہیں تو گھر میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی اور اس گھر میں محسوس ہوتا ہے کہ یہ شادی والا گھر ہے۔"

بنوں نے دیواروں کو گھورتے ہوئے شربت کا خالی جگ میز پر پٹخا۔ آج کل عروسی کمرے میں رنگ و روغن ہو رہا تھا، اس کی بات دل کو لگنے والی تھی جو استری کے نیچے سے دوپٹہ کھینچتی درین کے دل پر پتھر کی طرح لگی۔ اس نے استری بند کی مگر تب تک چچی بنوں کے قریب آ چکی تھیں۔

"کیوں نہیں لگ رہا بھئی، ابھی تک تو درین نے ٹی وی پر اچھلتے کودتے گانے فل آواز میں لگائے رکھے ہیں۔ گھر میں روغن کی مہک پھیلی ہے، برتنوں میں لال شربت بھی چپکا ہوا ہے اور یاد کرو تو اس گھر میں رات گئے تک ڈھولک گانا بھی ہوتا رہا ہے۔" نور بھنا کے اور ہاتھ جھلا جھلا کے بول رہی تھیں۔

"ہاں میں وہ ڈھولک اور گیت سنتا رہا ہوں، نور جہاں آئی ہوئی تھی۔" وہ بھی جل بھن کے بولا۔

"قربان جاؤں، بھئی۔" نور نے تیوری چڑھا کے ناک پہ ہاتھ رکھا۔

"یہ نور جہاں کیونکر آتی، جبکہ تیرے باپ کے پاس طبلے باجے بھی ہیں اور گانے والی بھی ہے اگر پھر بھی کچھ کسر رہ گئی تو اس منحوس کیسری کی آتما کو آواز دے لیں گے۔"

اس کے نام کو سنتے ہی درین کے اندر شگاف سے پڑا۔ اس سے پہلے کہ چچی سب کو چھوڑ کے اسے کوسنا شروع کر دیتیں، درین نے تیزی سے بات بدلی، اس نے بنوں کو مسکرا کے دیکھا۔

"کچھ وقت لگے گا پھر سب پہلے جیسا ہو جائے گا اور جب تمہارے بچوں کی شادیاں ہوں گی تو

برادری بھی آئے گی، رونق بھی لگے گی اور پھر......"

"وہ بہت دور کی بات ہے درین۔" پنوں نے اپنے کندھے سے اس کا ہاتھ ہٹایا۔ "اور برادری جائے بھاڑ میں، اگر اماں نے یا تم نے کالونی میں کہیں آنا جانا رکھا ہوتا تو آج چار لوگ ہماری خوشی میں بھی شامل ہوتے۔ عام لڑکیوں کی طرح اگر تمہاری بھی سہیلیاں وغیرہ ہوتیں تو ان کے مل بیٹھنے سے رونق خود بخود لگ جاتی۔" اس کا لہجہ اکھڑ اور انداز ہنوز شاکی تھا۔

وہ اپنے ادھورے جملے سمیت ساکن ہوئی اور آنکھ ڈبڈبائی، جس لڑکی نے اس کے اتھرے اونٹوں کی کھردری مہاریں یوں کس کے تھامے رکھیں کہ زخم زخم ہوئی۔ اسے ان ہاتھوں کے زخم دکھائی ہی نہیں دیے، اس خود غرض راجپوت کو اپنی رونق کی پڑی ہوئی تھی بالآخر بے رونقی کا قصور بھی عورتوں کے کھاتے میں آیا، آج اگر کیسری اس گھر میں ہوتی تو پنوں کی شکایت اور درین کی حالت پر قہقہے لگا رہی ہوتی۔

"یہ شکوے اور شکایتیں جا کر اپنے باپ اور دادا سے کرو اور اس گھر میں ہم دو عورتوں نے جتنی رونق لگائی ہوئی ہے، اسی پر صبر کرو پنوں رئیس۔"

نور اپنے بیٹے پر ایک کٹیلی نگاہ ڈالتی آگے بڑھیں۔ درین تھکے قدموں سے ان کے پیچھے چل دی تھی، وہ دونوں آج رئیس کو منانے زندگی میں پہلی بار حور کے گھر جا رہی تھیں۔

☆☆☆

"ابا ٹھیک ہی کہتا تھا کہ ان جٹوں سے ہماری کوئی خوشی برداشت نہیں ہوتی۔ دیکھو تو اب یہ خاندان کس طرح ایک کے بعد ایک دل پکڑ کے ہسپتال پہنچ رہا ہے۔" آج برآمدے میں چپ چاپ لیٹے رئیس کا نشہ مکمل طور پر اترا ہوا تھا اور آج پنوں کو پانے یا مراد ہونے کا نشہ چڑھا ہوا تھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں، پوری کالونی صدمے کے مارے دل پر ہاتھ رکھے ہے کہ خانان کی پوتی اور پوتا کسی بادشاہی میں بیاہے جا رہے ہیں اور جٹوں کو تو معمولی سے ایک ہو رہے ہیں مگر پچھلی گلی میں حسد کا یہ عالم ہے، کل دو جنازے اٹھ چکے ہیں۔" نور ٹھنڈے ٹھنڈے انگارے چبا کے بولی تھیں۔ پنوں کچھ کھسیانا ہو کے سیڑھیاں چڑھ گیا کہ پچھلی گلی میں فوتگیاں تو ہوئی تھیں مگر وہ دونوں بوڑھے برسوں کے بیمار تھے۔ "اماں بھی حد کرتی ہیں۔" اس نے صاف سوچا۔

نور میز پر چائے رکھتے ہوئے شوہر کے سامنے ہی ٹک گئیں۔ آج چائے خوش رنگ تھی کیونکہ وہ آج ملاوٹ سے پاک تھی۔ آج رئیس کی نگاہ جھکی رہی۔ آج اس کی آنکھ نے درین کو نہیں تلاشا، جو کچن کے دروازے سے لگی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

آج اس گھر میں پہلی بار رئیس کے دل نے پچھتاوے سے لبریز آہ بھری۔ کاش کہ وہ نور کے پلائے تعویذوں کے زیر اثر رہتا تو شاید وہ تعویذ پنوں پر بھی بااثر ثابت ہوتے اگر وہ حور کو زندگی سے نکال دیتا تو پنوں بھی گڑیا کا خیال دل سے نکال ہی دیتا۔ پھر وہ درین کو اپنے ہم پلہ خاندان میں بیاہتے پھر ان کی زندگی کا تمام بوجھ ایک ناتواں لڑکی کے کندھوں پر کیوں آتا۔

اس نے جھجکتے ہوئے نگاہ اٹھائی تو نور اسے ہی دیکھ رہی تھیں، جیسے کہہ رہی ہوں اب اسے بے فکر ہو کے پیو کہ نور کو اب تمہاری واپسی سے غرض نہیں۔ جیسے کہہ رہی ہو، میں نے تمہیں اسی دن چھوڑ دیا تھا جس دن تم نے مجھے چھوڑا تھا۔ میں تو تمہیں اس گھر کا مالک بنانا چاہتی تھی۔

اس نے نور سے نگاہ ہٹا کر دھوپ میں چمکتی بے رنگ دیواروں کو دیکھا کہ رات کو درین نے پانی میں افشاں گھول کے درختوں اور دیواروں پر چھڑکاؤ کیا تھا اور اس لڑکی کی کاوش نے راجپوتوں کے دیوار و در چمکا دیے تھے۔

"بس ایک شکوہ سہہ لو رئیس! اگر تم اپنی آبائی حویلی نہ بیچتے تو کسی ڈیوڑھی میں آج بھی شاید کوئی ایک ڈولی پڑی ہوتی اور کسی دیوار کے ساتھ شاید آج بھی کوئی کنیز ہاتھ باندھے حکم کی منتظر ہوتی۔ شاید

رات کو ہمارے بچوں کی مہندی پر یوں مہمانوں کا کال نہ ہوتا۔ خانان کی محفل تو حویلی بن بلائے مہمانوں سے ہی بھر جاتی۔"

رئیس نے نور کی آواز کسی گہرے کھوہ سے آتی محسوس کی، جو دھیرے دھیرے بیٹھتی گئی کہ وہ بیٹے کا دل رکھنے کی خاطر رات کو اونچی آواز میں گاتی رہی تھی۔ درین نے چوکھٹ سے ٹیک لگا کے آنکھیں بند کیں تو آنسو گالوں پر پھسل آئے۔

کاش چچا وہ حویلی نہ بیچتا تو ڈیرے کے ویران اسٹور میں، بکسے میں بند کیسری کی وہ تمام نشانیاں کباڑ کا حصہ بن جاتیں۔ اس گھر میں درین کیسری کو تلاشتی رہ جاتی۔ وہ اس کی محبت میں مبتلا ہوتی نہ اس کے سود و زیاں کا حساب رکھتی۔ وہ بھی خانان کا درد محسوس کرتی نہ اس کے عشق میں گرفتار رہتی۔ وہ دادی اور چچی کی طرح صوفیانہ کلام گانے والی اور اس کلام پر جان نثار والے کو بددعاؤں اور کوسنوں سے نوازتی۔ برا ہو رئیس چچا کا جو کیسری کا چھاپ تک حویلی سے اٹھا کے اس حیدر آبادی کوٹھی میں لے آیا کہ اس بوسیدہ پوٹلی کی گانٹھیں کھولتے اور لگاتے ہوئے درین نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ اس کی محبت بھی کسی صوفی کا کلام اوڑھ بیٹھی ہے۔ یہ روگ تو بن دید کی اکھیوں کا ہوتا ہے اور ایک صوفی کو تو اپنے حجرے میں ہی خدا مل جاتا ہے۔ کیسری بھی خانان سے کروڑ ہا کوس کی دوری سہہ کے جوبن گئی سو بن گئی مگر نادان درین کو تو انہی گلیوں میں رہنا تھا۔ اس شخص سے ہر لحظہ سامنے کا امکان تھا، اسے توکل سے حسام کی بے گانگی خاک کر رہی تھی۔

چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے رئیس کا ہاتھ کپکپایا پھر اس نے ایک ہی گھونٹ میں کپ خالی کیا۔ رئیس نے اپنے لرزتے ہاتھوں سے جیب کو ٹٹولا۔

"اب ہوش میں رہنے کا کیا فائدہ۔" رئیس کے سیاہ ہونٹوں پر چھب دکھاتی تلخ مسکراہٹ وہی صدمہ لیے تھی جو ٹھیکے داروں کے دلوں کو لاحق تھا، اس نے مدہوش ہونے سے قبل سامنے والی چمکتی دمکتی عمارت کو ایک مدت بعد پیار سے دیکھا تھا۔

"ہائے برا ہو کیسری کا۔" درین نے ایک دل خراش آہ بھری، اس نے آج پہلی بار کیسری کو کوسا تھا۔

☆☆☆

وہ جب ہاسپٹل آئی تو ابھی شام گہری نہیں ہوئی تھی، اس نے کارڈیو وارڈ میں ویٹنگ روم میں نگاہ دوڑائی تو —— شناسا چہروں میں زرقا چچی اور اکبر کو وہاں موجود پایا۔ درین کو وہاں دیکھ کے زرقا کے احساسات نم ہوئے، اس لڑکی کے انداز میں ہمیشہ ایک کمال ہوتا تھا کہ جیسے دنیا اس کی مٹھی میں ہوتی تھی۔ وہ آج بھی ہر انداز میں مکمل تھی۔ ان دونوں کے تعلقات میں وہ مقام ہی نہیں تھا کہ وہ کسی بھی موقع پر ایک دوسرے کو گلے لگاتیں۔ آج بھی درین امان انکل کے احوال دریافت کرنے کے بعد ایک فاصلے پر ٹھہر گئی تھی، آج زرقا کا دل آگے بڑھنے کو چاہا تھا۔ اسے گلے لگانے کو چاہا تھا جس کے بارے میں وہ منہ بگاڑ بگاڑ کے بڑبڑاتی تھی کہ اس کی اوڑھنی سونگھو تو اچار کی باس آئے گی اور مزاج ایسا کہ عرق گلاب میں نہائی ہو۔

وہ لڑکی آج بھی اپنے رویوں کے انہی دائروں میں کھڑی تھی کہ ایک خاک اڑانے والے مرد کی ماں بہن اور بیٹی بھی اسی عزت کے لائق ہے جتنا کہ کروڑوں کمانے والے گھرانوں کی عورتیں ہوتی ہیں۔ وہ سی سی یو میں اکبر کے ہمراہ گئی تھی تو امان اسے دیکھ کے خوش دلی سے مسکرائے۔

"انجائنا کا ہلکا سا اٹیک تھا، صبح ڈسچارج ہو جاؤں گا۔" انہوں نے درین کا سر شفقت سے تھپکا۔

جب اکبر نے باپ کی آنکھیں نم دیکھیں تو اس نے درین کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ پریشانی کے عالم میں ہی باہر آگئی تھی۔ وہ چند لمحوں کو گڑبڑائی کہ اب ویٹنگ روم میں دادی کے ساتھ حسام بھی موجود تھا۔ دونوں نے نگاہ ملانے سے گریز کیا۔ دادی نے درین کو خوب پیار کیا، ساتھ ہی ہلکی آواز میں ڈانٹا۔

"دلہن مایوں بیٹھنے کے بعد گھر سے نہیں نکلتی۔"

وہ اس بات پر بے ساختہ کڑبڑائی۔

"میں کہاں مایوں بیٹھی تھی۔"

"ماں سے روز بات کر لیا کرو۔" دادی نے اس کا بجھا بجھا چہرہ بغور دیکھا۔

"مجھے کسی سے بات نہیں کرنی۔" وہ نہایت روکھے پن سے بولی۔ تو وہ بہت اندر تک چونکا۔ کیا اس نے زندگی کو کھیل سمجھ رکھا ہے۔

"جو رقم تمہاری ماں نے بھیجی ہے، اس میں سے کچھ محفوظ کر لینا۔"

"وہ میں نے چچی کو دے دی تھی، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" وہ پاؤں جھلاتے ہوئے سابقہ انداز میں گویا ہوئی۔ اس لمحے وہ اجنبی اس ویٹنگ روم سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ دادی نے اسے تھک ہار کے دیکھا اور مضطرب بیٹھا وہ شخص بھی اسے دادی کے انداز میں دیکھنا چاہتا تھا۔

"میں نے تمہارے لیے کچھ زیور بنوایا ہے، کل لے آؤں گی۔" دادی نے اس کے ٹھنڈے ہاتھ ہاتھوں میں لیے۔

"مجھے کچھ نہیں پہننا۔" وہ ایک دم کھڑی ہوئی۔

حسام کا چہرہ تاریک پڑا۔

"اب چلتی ہوں دادی۔" وہ اطلاع دے کر سیدھ میں چل دی۔

"اس وقت اکیلی مت جاؤ، حسام تمہیں چھوڑ آتا ہے۔"

اس نے دادی کو کہتے سنا، وہ انکار یا اقرار کیے بنا چلتی رہی۔ وہ اس کے ساتھ کیونکر جاتی جس نے جدا ہونے سے پہلے ناتا توڑ لیا تھا اس کے قدموں نے رفتار پکڑی۔ وہ پارکنگ ایریا پیچھے چھوڑ چکی تھی جانے وہ کس طرف کو مڑی تھی۔ اس کشادہ گلی کے سارے درخت ٹنڈ منڈ تھے، اسے سبک چلتی لو نے بے طرح جلایا۔ پھر وہ اپنے عقب میں ابھرتی شناسا آہٹوں پر چونکی۔ پل بھر رکنے کے بعد پھر سیدھ میں چلنے لگی۔

"زندگی میں ہر خواہش پوری نہیں ہوتی، جدا ہونا پڑتا ہے۔ ہر خاندان کو کیسری کے بنا جینا پڑتا ہے، یہ سب تم نے کہا تھا نا۔" وہ اسے لفظ لفظ چبھو کے بولا۔ "اور میں نے کیا برا کیا، تمہارا کہنا حکم جان کے مانا پھر میرے بلاک کر دینے پر اتنا شدید غصہ کیوں درین؟"

وہ پہلو چھوڑ کے سامنے آ گیا۔

"کیونکہ میں ابھی زندہ تھی حسام! ابھی بات ہو سکتی تھی۔" اس کا چہرہ جنگ کے احساس سے جل اٹھا تھا۔

"مگر میں اب مر چکا ہوں درین جمال۔" وہ ان جلتی پلکوں کی آنچ چرا کے بولا۔ وہ ٹھنڈی برف ہوئی، وہ جواب میں کیا کہتی۔ وہ دونوں اب خاموش تھے پھر وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

"بابا کی طبیعت خراب نہ ہوتی تو میں یہاں سے جا چکا ہوتا۔" وہ متوحش ہوئی، وہ انجان گلی اچانک تنگ پڑنے لگی تھی۔ "میں آفس سے چھٹیاں لے چکا ہوں، ممکن ہے کچھ عرصے تک یہاں سے ٹرانسفر ہو جاؤں۔" وہ بے قرار ہوئی، اس نے چہار سو پھیلے راستوں کو شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"میں کل چلا جاؤں گا۔" اب نے گویا خود کلامی کی تھی۔ درین کی آنکھوں میں پانی جمع ہوا اور خود کو مضبوط رکھنے کے سارے گر اس پانی میں بہتے چلے گئے۔

"تم ایسا کیسے کر سکتے ہو۔ تم مجھے اس مشکل میں، اس تکلیف میں چھوڑ کے کیسے جا سکتے ہو۔ ابھی تو میں بہت گھبراؤں گی، پھر مجھے تمہیں پکارنا ہوگا۔" وہ گم ہونے سے پہلے اسے کچھ نشانیاں بتانا چاہتی تھی۔

حسام نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"مگر میں اب تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔"

وہ راہ میں پڑے کنکر کو شدت سے ٹھوکر مارتا کسی آوارہ اور ہرجائی کی طرح اسے اس گلی میں چھوڑ کے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

"بس تم وعدہ کرو، تم کہیں نہیں جاؤ گے۔" وہ

اس کا کف تھام کے التجائیہ ہوئی۔

"تم آج بھی اسی قدر بے وقوف ہو، جتنا بچپن میں ہوتی تھیں۔" اب کے اس نے کف نرمی سے چھڑایا۔ "رانی چچی کی دکان سے اندھیرے میں غلط چیزیں چرانے والی اور جب لائٹ آجاتی تو تم وہ چیزیں تبدیل کرنے کا مطالبہ کرتی تھیں۔ وہ رانی تھی جو کبھی تمہیں تھپڑ مار دیتی تو کبھی چیزیں بدل بھی لیتی۔ مگر یہ زندگی ہے درین!" اس کی آواز سرگوشی میں ڈھلی۔ وہ اسے کیا سمجھا رہا تھا، اس کے آنسو خشک ہوئے۔

حسام نے قریب سے گزرتے رکشے کو ہاتھ کے اشارے سے روکا لیکن شاید وہ کہیں اور بک تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آج وہ اس آوارہ ٹھیکے دار کے ساتھ سڑکوں کا طول وعرض ناپ سکتی ہے۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ میں پچھلے کئی دنوں سے تمہاری چپل کا شور شہر بھر میں ڈھونڈتا رہا ہوں مگر جہاں بھر کی آہٹوں پر دل خاموش جیسے سینے میں مردہ پڑا ہو۔ وہ کہنا چاہتا تھا۔

"دھڑکنیں وہی تلاطم چاہتی ہیں درین! بس آخری خواہش ہے کہ کسی اگلی گلی تک، کسی اگلے موڑ تک دل کو زندہ ہونے کا گمان بخش دو۔ وہ اسے اپنی بے اختیاریوں کے ہاتھوں پہلے ہی بہت رسوا کر چکا تھا۔ اس نے ایک دوسرے رکشے کو ہاتھ کے اشارے سے روکا پھر اسے ایڈریس سمجھاتے ہوئے اس چٹان لڑکی کو دیکھا جو آنسو صاف کر چکی تھی۔ کاش وہ خود سے ہاتھ چھڑانے والے کو پلٹ کے نہ دیکھتی۔ وہ شور مچاتے رکشے کو نظر آنے تک دیکھتا رہا۔ وہ بے مہر اور بے رحم لڑکی اسے ایک بار پھر کسی مشکل وعدے سے باندھ کے اپنی راہ چل دی۔ وہ ٹنڈ منڈ سا کھڑا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

"ان موئے راجپوتوں اور جٹوں کی، ایک دوسرے سے کدورت یا عداوت کوئی ڈھکی چھپی تو نہیں تھی۔ ادھر ہم نے رئیس کے گھر سے ناتا توڑا۔ ادھر دونوں گھروں کی نفرتیں محبتوں میں بدل گئیں کہ اب ٹھیکے داروں کے دلوں کو دوائی، ٹھیکے کے بغیر آرام ہی آرہا۔"

سکینہ بیٹے کو دیکھتے ہی شروع ہو گئیں۔ وہ جانتی تھیں کہ بیٹا امان صاحب کی مزاج پرسی کر کے آرہا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ بیٹا کچھ اور کام بھی کر کے آرہا تھا۔

"ہم سے مقابلہ بازی میں انہوں نے کون سی کسر چھوڑی تھی، جو رات کو منہ اٹھا کے بارات کے ساتھ چلے آئے۔ ذرا جو شرم آئی ہو انہیں۔" شاہد جس نے ایک ہی سانس میں پانی کا گلاس ختم کیا اور صوفے پر گر سا گیا۔

"یہ درد بھی دلوں میں اٹھتا ہے جنہیں اپنی نسلوں کا سود وزیاں عزیز ہوتا ہے۔" اسے درین کا بے جان لٹھے کی مانند سفید چہرہ یاد آیا تو دل میں ٹیسیں سی اٹھیں۔ اس کی نظروں نے امان کا زرد چہرہ یاد کیا۔ شاہد وہاں جتنی دیر بیٹھا رہا، وہ چہرہ عقیدت سے دیکھتا رہا تھا۔ اسے حسام کی وہ کیفیت یاد آگئی، اس نے [illegible] کو یوں دیکھا تھا جیسے بدترین غریب کسی امیر ترین شخص کو دیکھتا ہے۔

"فی الحال تم دونوں سب باتوں کو چھوڑو اور مجھے یہ بتاؤ کہ اچھا خاصا کماتے ہو پھر شادی پر اتنی کنجوسی کا مظاہرہ کیوں؟ کوئی شادی کارڈ چھپا نہ کوئی شادی ہال بک ہوا۔ اب جبکہ بارات جانے میں بھی ہی دیر ہے، نہ کوئی رسم، نہ کوئی بندہ بشر۔" شاہد کی خالہ جو کل شام ہی پنڈی سے آئی تھیں، اس تمام صورت حال سے پریشان ہو رہی تھیں۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ سب کچھ اپنے بھانجے سے پوچھو جو یقیناً اس بھوکے ننگے خاندان سے رشتہ گانٹھ کے اب پچھتا رہا ہے۔" وہ بھنا کے بولی اور وہاں سے اٹھ گئی۔ اس کی ماں اپنی مرضی کے مسائل سے دوچار تھی اور وہ اپنی مرضی کے وبال میں گھرا ہوا تھا۔ وہ کبھی گہرائی میں جا کے سوچتی تو جان پاتی کہ آج گڑیا عزت کے ساتھ رخصت ہو چکی ہوتی تو وجہ کیا تھی۔

اس نے بے بسی سے سر جھٹکا، اس کی ماں یہ بھی نہیں سمجھ سکتی تھی مگر وہ اپنی خالہ کو موجودہ صورت حال سمجھا سکتا تھا۔

"وہ لاکھوں اگر میں فضول کے رسم و رواج پر خرچ کر دیتا تو گڑیا کو چند مادی اشیا کے سوا شاید کچھ نہ دے پاتا اور ولیمے کا کیا ہے خالہ! کبھی بھی ارینج ہو سکتا ہے۔"

اگرچہ اس نے بات بھی نرمی سے کی تھی۔ وہ مسکرایا بھی تھا مگر اس کی خالہ نے جان لیا تھا کہ وہ آج خوش نہیں ہے۔ اس کی ماں ابھی بھی سابقہ قصیدے پڑھ رہی تھی، وہ اپنی سلگتی کنپٹیوں کو دباتا سوچتا رہ گیا۔ وہ ماں سے کیا کہتا کہ وہ دل کانچ کے نہیں ہوتے جن کو دوائی ٹیکے کے بنا آرام نہیں آتا۔ ان دلوں کی آنکھیں بہت آگے تک دیکھتی ہیں۔ یہ اولاد کے خسارے سمجھنے والے لوگ ہوتے ہیں، جہاں بھی بوجھ رکھنے والے بزرگ ہوتے ہیں۔ وہاں رئیس خان رئیس ہی رہتا ہے، وہاں پھر کسی جمال خان کا تاوان کوئی درین جمال نہیں بھرتی، جہاں ماں باپ قدر پا جاتے ہیں وہاں کوئی گڑیا تباہ ہونے سے نہیں بچ پاتی۔ اس وقت شاہد کو جو بھی دلی تباہیاں در پیش تھیں، وہ اپنی ماں کی فطرت کی وجہ سے تھیں۔

☆☆☆

اس شام کا چہرہ مضمحل اور پژمردہ تھا وہ نحیف اور بیمار سی شام جیسے گرتی پڑتی رات کی جانب بڑھ رہی تھی۔ درین نے خود کو سجانے سنوارنے والی کا ہاتھ کئی بار روکا اور وہ برآمدے میں سوئے رئیس کو جب کئی بار جگانے آئی تو اس کا سامنا چچی کے پاس کھڑے شاہد سے ہوا۔ اس کا دل سمٹ کے دھڑکا، اس نے چند گھنٹوں بعد اس شخص کی زندگی کا حصہ بن جانا تھا۔ اس نے فوراً رخ بدلا اور چچا کا کندھا جھنجوڑا۔

"چھوڑو بھی نورا مجھے اب کہیں نہیں جانا۔" اس نے غنودہ سا جواب دے کر منہ پر کپڑا اڈالا۔

"اف۔" درین کا سانس اٹکا۔ کیا تھا اگر چچا اسے پورے ہوش و حواس کے ساتھ رخصت کرتا۔ جیسے کل گڑیا کو شاہد نے سینے سے لگا کے رخصت کیا تھا، اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں اور ابھی بھی شاہد گڑیا کی خبر لینے آیا ہوگا۔ وہ جانتی تھی کہ چچوں کی فطرت خود پسند تھی۔ اس نے درین کو کب یاد رکھنا تھا۔

"اسے پڑا رہنے دو، ہوش میں آ گیا تو خانان کی پوتی کی ڈولی دہلیز کے پار نہیں جانے دے گا۔" چچی نے التجا سی کی تو درین نے پلٹ کر دیکھا شاہد جا چکا تھا۔ چچی عجلت میں تھیں، بات ختم کر کے بہو کے کمرے میں گھس گئیں۔ مگر وہ وہیں کھڑی رہی۔ اس نے دوسرے پل چچا کو پوری جان لگا کے جھنجوڑا۔ درین اسے ہوش میں لانا چاہتی تھی۔

"آ جائیں باجی! مجھے ایک اور دلہن کو بھی تیار کرنا ہے۔" اس کا دوسرا ہاتھ لکی نے تھاما۔ وہ مایوس ہو کے پلٹی۔

کچھ دیر بعد وہ دلہن بن سنور چکی تھی مگر اس کا چہرہ آج کی شام جیسا ہی تھا اس نے آئینے پر نگاہ ڈالی۔ وہ کس قدر بے وفا تھی۔

"اتنی خوب صورت لگ رہی ہو۔" لکی نے اس کا جھمکا چھوا۔ وہ ڈر سی گئی، اسے ایک دم وہ شخص یاد آیا جو اس کا جھمکا بالی یوں جھٹ سے اتار لیتا کہ وہ بھناتی رہ جاتی۔

تب ہی صحن میں ہلکا سا شور اٹھا شاید بارات آ گئی تھی اس کا وجود ٹھنڈا ہوا۔

☆☆☆

"جب اس گھر میں میرا رشتہ قبول ہوا تو میں درین جمال کے اس فیصلے پر جتنا حیران ہوا تھا تو اس سے کئی گنا زیادہ میں خانان کی واحد پوتی سے متاثر ہوا تھا۔ آج کل ایسا کہاں ہوتا ہے، ایسا کون کرتا ہے۔ اس مادیت پسند دور کے باوجود اور اس قدر کمزور حالات کے باوجود جس طرح یہ لڑکی ہمیشہ اور آج اس آخری لمحے تک ثابت قدم رہی تو میں اس سارے سفر میں بنت جمال کی قربانی اور اس کی ہمت کو داد دیتا

ہوں۔" صحن میں ایک دم خاموشی ہوئی، تمام مہمان اسی گلی محلے سے تھے تو سٹنگ کا انتظام صحن میں کیا گیا تھا جبکہ عورتیں برآمدے میں بیٹھی تھیں۔ سکینہ کے دل کو دھچکا لگا، یہ تو رخصتی سے قبل ہی زن مرید ہو گیا۔ اس نے چہرہ رگڑ کے صاف کیا، بیٹے کی یہ مکالمہ بازی اس کی سمجھ سے باہر تھی۔

"میں پوری دنیا کی بات نہیں کرتا مگر میں یہ دعوا وثوق کے ساتھ کر سکتا ہوں کہ کم از کم اس شہر میں کوئی دوسری درین جمال نہیں ہوگی اور میں دعا کرتا ہوں کہ ہر خاندان میں ایک بنت جمال کو پیدا ہونا چاہیے۔"

باہر خاموشی ہوئی تو اس کی آواز کمرے تک سنائی دینے لگی۔ شہر کی واحد درین جمال کھلی کھڑکی سے باہر وہ چہرہ تحیر کے ساتھ تک رہی تھی۔

"ارے مولوی صاحب! اب نکاح بھی پڑھائیے۔ گرمی ہے کہ الاماں۔" سکینہ پنکھے کے سامنے سے اٹھ کے آئی تو کھڑکی سے لگی دلہن نکاح کے نام پر چونکی۔

چچی نے شام کو اسے ایک بند لفافہ دیا تھا، اس لفافے پر کچھ انگریزی حروف میں لکھا تھا جو اس نے پڑھے بنا الماری میں رکھ دیا تھا۔

"میں معذرت خواہ ہوں کہ موقع کی مناسبت سے یہ اعتراف وقت پر کر رہا ہوں۔"

وہ گواہان نکاح خواں اور پنوں کے ساتھ ہی کھڑا ہوا۔

"میں خود کو اور اپنے خاندان کو درین کے قابل نہیں سمجھتا۔"

وہ ذرا فاصلے پر کھڑی نور سے مخاطب ہوا۔

"مجھے معاف کر دیجیے گا چچی۔"

وہ اپنی اور رئیس کی فیملی کو بمعہ تیس چالیس باراتیوں کے سکتے کے عالم میں چھوڑ کے اس گھر سے نکل آیا تھا۔ اسے اپنی ماں کو سنبھالنے کے کئی گر آتے تھے، باقی رہے دوسرے لوگ تو وہ جانتا تھا کہ بھلے کوئی سانحہ گزر جائے کوئی واقعہ یا حادثہ ہو جائے، لوگ کچھ دنوں بعد بھول بھال جاتے ہیں۔ دلہن کا سکتہ بھی ٹوٹا تو وہ لپک کے الماری کی جانب آئی، اسے وہ خط پڑھنے کی جلدی تھی۔

☆☆☆

شاہد کا خط پڑھتے ہوئے اس بے سنگھار دلہن کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔

(میں کبھی نہیں سمجھ پاؤں گا کہ میں اتنا اچھا کب تھا، جتنا آپ نے مجھے سمجھا۔ میری ماں کی غلط بیانیوں کے باوجود تمہارا مجھ پر یقین کہ شاہد اچھا انسان ہے وہ میری زندگی میں کبھی کچھ غلط نہیں ہونے دے گا اور تمہارے لہجے کے اس یقین نے پھر مجھے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ میں انچ انچ کر کے پیچھے ہٹتا چلا گیا، مجھے ڈر تھا کہ میں نے تمہیں اپنا لیا تو تمہاری زندگی میں سب کچھ غلط ہو جائے گا)

درین نے آنسو صاف کیے، وہ صحن کے سکوت سے ڈری گئی، ان کی زندگی میں ایک بار پھر یہ سب غلط ہوا تھا۔ اب باہر چچی نے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔

"جو بھی ہو، شرفا کے گھر سے بارات کا واپس چلے جانا جگ ہنسائی ہوتی ہے۔" میاں اور شاہد نے یہ انتہائی فیصلہ بہن کی رخصتی کے بعد ہی کرنا تھا تو صبح سویرے آ کے معذرت کر لیتا، اس نے وہ فیصلہ تاخیر سے سنا کے غلط کیا، اک تماشا لگ گیا ہے، اک فسانہ بن گیا ہے۔"

پنوں ماں کے سامنے چپ چاپ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس گھر میں برسوں بعد آج ایک بدلاؤ آیا تھا۔ آج نور کیسری کو کوسنے کے بجائے دل کی بھڑاس پنوں پر نکال رہی تھیں۔

☆☆☆

وہ سمجھتی تھی کہ پنوں کا سفر اس کی زندگی کا آخر ڈر تھا۔ ایسے منزل تھما کر وہ ہر خوف سے آزاد ہو گئی تھی۔ وہ سمجھتی تھی اس رات شاہد کے فیصلے نے جو تماشا لگایا تھا، وہ اس کی زندگی کا آخری تماشا تھا مگر ایک بری خبر کے ساتھ کراچی تک سفر کرتے ہوئے اس نے جانا تھا

گزرا کیا ہوتا ہے۔ ہاسپٹل کے ٹھنڈے کوریڈور میں کھڑے ہو کر اس نے خوف کی ہر شکل کو انتہائی قریب سے دیکھا تھا۔ آئی سی یو کے گلاس وال سے پہروں ماتھا ٹکائے اس نے جان لیا تھا کہ اس نے اتنے سال جس کہانی سے محبت کی تو مشینوں میں جکڑا وہ شخص کہانی کے اس بادشاہ سے مماثلت نہیں رکھتا تھا کہ خاقان کیسری کے بھوت سے جی گیا تھا اور وہ حسام تھا، جسے اس کے پچھتاوا ہی نہیں آیا۔

آج پندرہ دنوں بعد امان ولا کا کھلا گیٹ دیکھ کر زندگی نے جیسے وجود میں پھر سے سانس لیا تھا اور آج وہ کتنی ہی دیر سے اس کے بیڈ سائڈ پر کھڑی اس کا زرد چہرہ تکے جا رہی تھی۔ اگر اس نے درین کی آہٹ پا کر آنکھیں موند لی تھیں تو ناراض ہونا اس کا حق بنتا تھا اور اگر وہ واقعی سو رہا تھا تو وہ اسے کس منہ سے آواز دیتی کہ درین نے سوائے اس شخص کے باقی ہر ایک کے خسارے کا حساب رکھا تھا۔

جب تیرے منظر کا سحر ٹوٹا تو ہم نے جانا
کہ زندگی تو سادہ کاغذ تھی
جس پر تیرا لکھا ہی معتبر ٹھہرا۔

اس نے مزید کھڑے رہنا مناسب نہیں سمجھا شاید وہ سچ میں سو رہا تھا۔ اس نے رخ بدلا، اگلے لمحے اس کی کلائی ایک نرم گرفت میں تھی۔

میں کیسے اس کو یقین دلاؤں
جو مجھ کو جاں سے عزیز تر ہے
کہ اس کو بھولوں تو مر نہ جاؤں

وہ تیزی سے پلٹی اور اس کے الفاظ دل میں اتارتے ہوئے اسے ہلکا سا گھورا تو وہ اتنی دیر سے سونے کا ڈرامہ کر رہا تھا۔

"کہا تھا نا کہ میرے پاس تمہیں کھونے کا حوصلہ ہی نہیں۔ میرا دل اتنا مضبوط نہیں تھا یار!" وہ مدھم لہجے کا شکوہ تھا۔

"محبت میں اتنی شدت اچھی نہیں ہوتی حسام! کہ جن سے محبت کی جائے، ان ہی کا تماشا لگا دیا جائے۔" وہ ضبط کرتے کرتے بھی تڑپ سی گئی۔

وہ حیران ہوا اور کراہ کے رہ گیا۔

"تماشوں کی بات دوبارہ مت کرنا درین! کہ اس بار سارے کا سارا نقصان ٹھیکے داروں کے حصے میں آیا ہے۔ سارا درد ہم نے جھیلا ہے کہ راجپوتوں کے سینوں میں تو آج بھی پتھر دھڑک رہا ہے۔" وہ درد چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا اور اس رنجیدہ کھڑی لڑکی کو بہت فرصت سے دیکھا۔

"اپنے چچا میاں سے کہہ دینا کہ اب حساب برابر ہو چکا ہے۔" اس کے سنجیدہ لہجے نے شرارت کو چھوا۔

"چچا میاں کی وہی ضد ہے کہ اب راجپوتوں کی کوئی بھی قیمتی چیز جٹوں کی طرف نہیں جائے گی۔" وہ منہ بنا سنوار کے مسکرائی اور ہاتھ چھڑانا چاہا۔

"اگر ایسی بات ہے تو میں تمہیں جانے ہی نہیں دوں گا۔" اس نے گرفت اور سخت کی۔

"ابھی حساب برابر نہیں ہوا کہ ہمارا شمار آج بھی شرفا میں ہوتا ہے اور تم......"

وہ اسے آوارہ کہتے کہتے خاموش ہو گئی کہ اس کی سنجیدہ نگاہ درین کی تیکھی پلکوں پر ٹھہر سی گئی تھی۔

"اس ایک ماہ میں ہم ٹھیکے داروں نے جس مفلسی، تکلیف اور خسارے کا سامنا کیا ہے تو سارا حساب برابر کر دیا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا اور ہاتھ میں پکڑا اس کا ہاتھ اپنے دل پر رکھا۔

"ہاں اگر تم حساب بڑھانا چاہتی ہو تو کچھ دیر میری دھڑکنوں کو شمار کرتی رہو۔"

"ابھی ہم راجپوت عورتوں پر اتنا برا وقت نہیں آیا کہ میں تم جیسے آوارہ گرد کی دھڑکنیں شمار کروں۔" اس نے جھینپ کے ہاتھ چھڑایا اور بے ساختگی سے ہنستا وہ شخص نگاہ ملا کے اقرار کر رہا تھا کہ ہم جٹ آج بھی راجپوت عورتوں کو یوں دیکھتے ہیں جیسے خدا دیکھ لیا ہو۔